قرآنی نظامِ ربوبیت کا پیامبر
مارچ 2014ء
اشاعت کا اکہترواں سال
ماہنامہ
لاہور

طلوعِ اسلام

www.toluislam.com
علامہ اقبالؒ کے ایماء اور قائداعظمؒ کی خواہش پر 1938ء سے شائع ہونے والا ماہنامہ



FOUNDED IN 1938 AT THE BEHEST OF ALLAMA IQBAL[R] AND QUAID-E-AZAM[R]

CPL NO. 28
VOL.67
ISSUE
3

Monthly

TOLU-E-ISLAM

25-B, Gulberg 2, Lahore, Pakistan
Phone. 042-35714546 , 042-35753666 , 042-35764484
E-mail:idara@toluislam.com
web:www.toluislam.com

''ہم اپنی جداگانہ مملکت چاہتے ہیں، جس میں ہم اپنے تصور کے مطابق زندگی بسر کرسکیں، ہندوؤں اور مسلمانوں کے اختلافات ایسے بنیادی ہیں کہ زندگی کا کوئی اہم معاملہ ایسا نہیں جس میں یہ (دونوں) متفق ہوں''۔ (لندن میں تقریر۔16دسمبر1946ء) (طلوع اسلام۔جنوری1961ء صفحہ 20)



اوّل و آخر فنا، باطن و ظاہر فنا نقشِ کہن ہو کہ نو منزل آخر فنا
ہے مگر اُس نقش میں رنگِ ثباتِ دَوام جس کو کیا ہو کسی مردِ خدا نے تمام

علامہ اقبالؒ

جلد 67 شمارہ نمبر 3 مارچ 2014ء

ماہنامہ طلوعِ اسلام لاہور

اس شمارے میں

عنوان	مصنف	صفحہ نمبر
لمعات: نظریۂ پاکستان سے مراد ہے قرآن کی حکمرانی	ادارہ	3
شِرک اور مقامِ انسانیت	پرویز صاحب کا ایک درس	11
مذہبی پیشوائیت	ملک منظور حسین لیل	19
تخلیق کی نور افشانی	راجہ عبدالعزیز	26
اللہ تعالیٰ کا انسانیت سے رابطہ کا واحد ذریعہ اس کا کلام کرنا ہے	خواجہ ازہر عباس	37
میرے قائدؒ!	عطاء الحق قاسمی	43
تھوڑے سے لوگ	کاشف راز	46

ENGLISH SECTION

Surah Al-Muddaththir – Durus-al-Qur'an By G.A.Parwez

Parah 29: Chapter 22 Translated by: Dr. Mansoor Alam 51

دفتر کا پتہ B-25 گلبرگ 2، لاہور۔54660، پاکستان

فون: 042-35714546، 042-35764484

E-mail: idara@toluislam.com

انتظامیہ

ناشر وقائم مقام چیئرمین محمد اکرم راٹھور

مجلسِ ادارت

ڈاکٹر انعام الحق ۔ ڈاکٹر منظور الحق

خواجہ ازہر عباس

مدیر انتظامی

محمد سلیم اختر

قانونی مشیر

ملک محمد سلیم ایڈووکیٹ

زرِتعاون

پاکستان میں 40 روپے فی پرچہ

سالانہ -/450 روپے

بیرون ملک 2500 روپے سالانہ

بینک اکاؤنٹ نمبر

3082-7 نیشنل بینک آف پاکستان، مین مارکیٹ گلبرگ

برانچ کوڈ (0465) ۔ لاہور

ادارہ طلوعِ اسلام (رجسٹرڈ) کی مطبوعات سے حاصل شدہ جملہ آمدن قرآنی فکر عام کرنے پر صَرف کی جاتی ہے

اشتیاق اے مشتاق پرنٹرز سے چھپوا کر B-25، گلبرگ II لاہور سے شائع کیا

Naveed Graphic 5.5x8 1c

ادارہ

لمعات

نظریۂ پاکستان سے مراد ہے قرآن کی حکمرانی

23 مارچ 1940ء کی یاد میں

یہ عجیب حسن اتفاق ہے کہ ہمارے ہاں، موسم بہار کی آمد کے ساتھ ہی، ہماری ملی تاریخ کی دو اہم تقاریب منانے کے دن آتے ہیں۔ بہار کا موسم وہ ہے جس میں کائنات کے گوشے گوشے میں نئی زندگی کی نمود ہوتی ہے۔ شجرِ حیات کی ہر شاخ سے، حسنِ خوابیدہ انگڑائیاں لے کر بیدار ہوتا ہے۔ چٹیل میدانوں میں سبزۂ نورستہ اور خشک ٹہنیوں سے گل نو دمیدہ آنکھیں ملتا ہوا اٹھتا ہے اور ہر دیدۂ بینا سے پکار پکار کر کہتا ہے کہ فَانْظُرْ اِلٰٓی اٰثٰرِ رَحْمَتِ اللّٰہِ کَیْفَ یُحْیِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِھَا ..... (30:50) ''تم مبدأ فیض کی نیساں باریوں اور گہر فشانیوں کو دیکھو کہ اس نے کس طرح زمینِ مردہ کو حیاتِ تازہ عطا کر دی''۔ موسم بہار کی انہی حیات بخشیوں میں ہمارے سامنے 23 مارچ کا وہ یومِ سعید آتا ہے جب قوم کے قلوبِ مردہ میں ولولۂ تازہ کے آثار نمودار ہوئے اور اس نے حصولِ آزادی کے عزمِ جواں بخت کا طنطنہ خیز اعلان کیا۔ اور اس کے بعد 21 اپریل کا وہ دن جب اس ولولہ تازہ کا پیامبر (اقبالؒ) اپنا مشن پورا کر کے، اپنے سفر کی اگلی منزل کی طرف روانہ ہوا۔ ان تقاریب کی عظمت و اہمیت کا تقاضا تھا کہ انہیں فلک بوس جوش و خروش اور عالمگیر شان و شکوہ سے منایا جاتا، لیکن جس قوم پر صدیوں سے جمود و تعطل چھا رہا ہو، ان کے ہاں ہر حیات بخش عمل محض رسم بن کر رہ جاتا ہے۔ آپ غور کیجئے کہ ہمارے دین کے ایسے انقلاب آفریں عناصر — صوم و صلوٰۃ اور حج و زکوٰۃ وغیرہ — جنہوں نے انسانیت کے عروقِ مردہ میں خونِ زندگی دوڑا دیا تھا، کس طرح بے روح رسومات کا مجموعہ بن چکے ہیں۔ ان اعمالِ حیات کو بھی چھوڑیئے، وہ کتابِ عظیم جس نے ان کی زندگی کے ہر گوشے میں قندیلِ راہ بننا تھا کس طرح محض الفاظ کا کاغذی پیکر بن چکی ہے۔ دنیا کی کوئی کتاب اس التزام و تکرار و اصرار سے نہیں پڑھی جاتی جس طرح اس کتاب کی تلاوت ہوتی ہے، اور اس کے ساتھ ہی یہ الم انگیز حقیقت بھی ہمارے سامنے ہے کہ دنیا میں یہی ایک کتاب ہے جس کے الفاظ تو اس طرح دہرائے جائیں لیکن ان میں سے کسی لفظ کے معنی معلوم نہ ہوں۔ لاکھوں، کروڑوں گھروں میں اس کی روزانہ تلاوت سے قطع نظر، ہزاروں، لاکھوں کے مجمع میں اسے ایک ایک رات میں اس طرح ختم کیا جاتا ہے کہ نہ پڑھنے والا اس کا ایک لفظ سمجھتا ہے، نہ سننے والے — اور تراویحوں اور شبینوں کے علاوہ، اب تو گھر گھر قاریوں کے کیسٹ سنائی دیتے ہیں۔ ناظرہ قرآن پڑھانے اور قرأت و تجوید کی تعلیم دینے والے لاکھوں مکاتب کھلے ہیں جن میں اس کے الفاظ کی ادائیگی کے طور طریق سکھائے جاتے ہیں۔ لیکن یہ کسی کو نہیں بتایا جاتا کہ ان الفاظ کے معانی اور مفہوم کیا ہے۔ جو قوم، اس قسم کی

کتابِ عظیم کے ساتھ یہ کچھ کر رہی ہو، وہ اگر اپنی ملی یادگاروں کو محض رسمی طور پر منائے تو اس میں تعجب کی کون سی بات ہے؟ یہ بھی کچھ کم غنیمت نہیں کہ انہوں نے ابھی ان یادگاروں کو یکسر فراموش نہیں کر دیا!

جس طرح، ہماری معاشرتی (اور مذہبی) زندگی میں جس لفظ کو سب سے زیادہ بار دہرایا جاتا ہے، وہ اسلام ہے۔ لیکن آپ کسی سے پوچھ کر دیکھ لیجئے، اس کے ذہن میں اسلام کا کوئی متعین مفہوم نہیں ہوگا۔ اس طرح ہماری سیاسی زندگی میں (پاکستان کے حوالے سے) جن الفاظ کی سب سے زیادہ تکرار ہوتی ہے وہ ''نظریۂ پاکستان'' ہیں۔ اور لفظ اسلام کی طرح، نظریۂ پاکستان کے متعلق بھی کسی سے پوچھئے۔ وہ بتا نہیں سکے گا کہ اس کا مطلب کیا ہے؟ ہم آج کی نشست میں، اسی ''معمہ'' کو لیتے ہیں۔

☆.....☆.....☆

انسان اور حیوان میں ایک بنیادی فرق یہ ہے کہ انسان کو قوتِ گویائی عطا کی گئی ہے۔ وہ اپنے مقصد کا اظہار الفاظ میں کر سکتا ہے۔ وعلمہ البیان ۔ خود خدا کا ارشاد ہے۔ انسان کی تمدنی زندگی کا دارومدار اسی خصوصیت پر ہے۔ لیکن یہ خصوصیت اسی صورت میں نعمت ہے کہ ہم جو لفظ بولیں، — سننے والوں کے ذہن میں اس کا مفہوم متعین ہو۔ اگر ایسا نہ ہو، اور مختلف افراد ایک ہی لفظ کے معانی مختلف لیں، تو اس سے زندگی اجیرن ہو جائے۔ مثلاً آپ اس ماجرا پر غور فرمائیں کہ آپ نیم بے ہوشی کے عالم میں، شدتِ پیاس سے کہیں — پانی — اور آپ کے گھر والوں میں سے کوئی ماچس کی ڈبیہ لئے چلا آ رہا ہو اور کوئی چمچہ — ایک آپ کے سرہانے تولیہ لئے کھڑا ہو اور دوسرا بالٹی۔ کسی کے ہاتھ میں تیل کی شیشی ہو اور کوئی آپ کا جوتا تلاش کر رہا ہو — سوچئے کہ اگر صورت یہ ہو تو خدا کی یہ نعمت (قوتِ گویائی) کس قدر عذاب بن جائے! یہ نعمت اسی صورت میں قرار پائے گی، جب آپ ''پانی'' کہیں تو ہر سننے والا اس سے ''پانی'' مراد لے۔

یہ مثال تو زندگی کے عام معمولات سے متعلق ہے۔ اسے ذرا آگے بڑھایئے اور سوچئے کہ آپ اہم مسائلِ حیات کے متعلق جو الفاظ یا اصطلاحات استعمال کریں، اگر سننے والوں کے نزدیک ان کا متعین مفہوم نہ ہو، تو اس کا نتیجہ کیا ہوگا؟ اسے سمجھنے کے لئے آپ خود اپنی تاریخ پر ایک نظر ڈالئے۔ نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے دنیا کے سامنے ایک نظامِ حیات پیش کیا جسے اِسلام کی اصطلاح سے تعبیر کیا۔ اس کا مفہوم اس قدر واضح اور متعین تھا کہ موافق، مخالف، ہر ایک سمجھتا تھا کہ اس سے مراد کیا ہے۔ لیکن اس سے ذرا آگے چل کر ہمارے سامنے یہ نقشہ آتا ہے کہ ہر شخص کی زبان پر اسلام ہے لیکن ہر شخص کے نزدیک اس کا مفہوم جداگانہ ہے۔ اس کا نتیجہ یہ کہ وہی قوم جو اس اصطلاح کے متعین مفہوم سے اُمتِ واحدہ تھی، فرقوں میں بٹ گئی اور ٹکڑے ٹکڑے ہو کر رہ گئی۔ تاریخ میں مسلمانوں کے سینکڑوں فرقوں کا تذکرہ آپ کے سامنے آئے گا۔ لیکن ان میں کوئی ایک فرقہ بھی ایسا نہیں ملے گا جس نے یہ کہا ہو وہ اسلام کو چھوڑ کر کسی اور دین کی دعوت دے رہا ہے۔ ہر ایک، اسلام کی طرف دعوت دینے کا مدعی تھا اور ہر فرقہ دوسرے کے دعویٰ کی تکذیب کرتا تھا۔ ماضی کو چھوڑیئے اور حال کی طرف آیئے۔ آج بھی مسلمانوں میں متعدد فرقے ہیں اور ان سب کا دعویٰ یہی ہے کہ وہ اسلام پر قائم ہیں اور اسی

کی طرف دعوت دیتے ہیں۔ اس کے باوجود ہر فرقہ اپنے آپ کو اسلام کا علمبردار قرار دیتا ہے اور دوسروں کے اسلام کو کفر بتاتا ہے۔ اور ان میں سے کوئی شخص اس کا فیصلہ نہیں کر سکتا کہ کس کا دعوائے اسلام سچا ہے اور کس کا جھوٹا۔ اس کی بنیادی وجہ یہی ہے کہ اس اصطلاح کا کوئی متعین مفہوم سامنے نہیں۔ ان اصطلاحات کے مفہوم کے عدمِ تعین کا مظاہرہ ہم منیر کمیٹی کی روئیداد میں دیکھ سکتے ہیں۔ انہوں نے پاکستان کے علمائے کرام سے کہا کہ وہ بتائیں کہ مسلمان کسے کہتے ہیں۔ یعنی اس اصطلاح کا مفہوم کیا ہے۔ ان میں سے اکثر و بیشتر تو اس سوال کا سرے سے کوئی جواب ہی نہ دے سکے-----------------------

----------------اور جنہوں نے جواب دیا ان میں سے کسی کا جواب دوسرے کے جواب سے ملتا نہیں تھا۔ ان بنیادی اصطلاحات کے مفہوم کے عدمِ تعین کا نتیجہ ہے کہ قوم اس قدر تشتت و انتشار، اور فساد و خلفشار کا شکار ہو رہی ہے۔ ہر ایک کی زبان پر لفظ اسلام کا ہے لیکن ہر ایک کا راستہ جدا جدا اور منزل الگ الگ ہے۔ قرآنِ کریم نے تفرقہ کو جو شرک قرار دیا ہے (30:32) تو اس کے یہ معنی نہیں کہ مسلمانوں کے مختلف گروہ خدا کے ساتھ بتوں کو پوجنے لگ گئے ہیں۔ توحید کے معنی ہیں ساری قوم کے سامنے ایک نصب العینِ حیات ہو (جو خدا کا متعین کردہ ہو) اور شرک سے مراد ہے ہر گروہ کا الگ الگ نصب العین — یعنی اسلام کا اپنا اپنا مفہوم!

تشتت و انتشار کے عذاب میں گرفتار قوم کی ایک خرابی یہ بھی ہوتی ہے کہ اگر وہ کبھی ان خرابیوں کے ازالہ کی فکر کرے، تو بجائے اس کے ان خرابیوں کے علل و اسباب پر غور کر کے انہیں دُور کرنے کی کوشش کرے، وہ ان میں......ایک اور خرابی کا اضافہ کر لیتی ہے — جس طرح (مثلاً) فرقہ بندی کی خرابیوں کو دور کرنے کا خیال لے کر اُٹھنے والا، ایک نیا فرقہ بنا کر بیٹھ جاتا ہے، اور پارٹیوں کے پھیلائے ہوئے فسادات کو مٹانے کا دعویدار ان میں ایک اور پارٹی کا اضافہ کر دیتا ہے۔ چنانچہ لفظ اسلام کے مفہوم کے عدمِ تعین سے گھبرا کر، قوم نے (بجائے اس کے کہ وہ اس صطلاح کا مفہوم متعین کرنے کی کوشش کرے) اب ان اصطلاحات میں ایک اور اصطلاح کا اضافہ کر لیا ہے اور وہ اصطلاح ہے — نظریہ پاکستان — اس جدید اصطلاح کو وضع (یا اختیار) کئے کچھ زیادہ عرصہ نہیں گزرا کہ اس کے بھی اتنے ہی مفہوم ہو گئے ہیں جتنے مفاہیم لفظ اسلام کے تھے۔ اب ہر پارٹی نظریۂ پاکستان کے تحفظ کی مدعی ہے اور ہر پارٹی سے، اس بنا پر برسرِ پیکار کہ نظریۂ پاکستان کے حامل ہم ہیں فریق مخالف نہیں۔ آیئے ہم دیکھیں کہ اس اصطلاح کا مفہوم کیا ہے۔

☆......☆......☆

پولیٹیکل سائنس (علم السیاسیات) کی رُو سے، مملکت (STATE) سے مفہوم یہ لیا جاتا ہے کہ ایک خطۂ زمین میں بسنے والے افراد، ایک ہیئتِ اجتماعیہ (انفرادی کے بجائے اجتماعی زندگی بسر کرنے) کا تہیہ کر کے ایسا نظم و نسق قائم کریں جس سے وہ ملک مستحکم ہو اور اس کے باشندے خوشحال اور ہر قسم کے خطرات سے مامون — اس مملکت کو اس سے غرض نہیں ہوتی کہ افرادِ مملکت کا تصورِ زندگی کیا ہے اور نظریات و معتقدات کس قسم کے ہیں۔ یہ ان افراد کا ذاتی معاملہ ہوتا ہے۔ اس قسم کی مملکت کو قومی یا وطنی کہا جاتا ہے۔ اس کے

برعکس مملکت کا ایک تصور قرآن نے دیا تھا اور وہ یہ کہ ایک قسم کا نظریۂ حیات اور فلسفۂ زندگی رکھنے والے افراد اپنی منفرد ہیئت اجتماعیہ متشکل کرنے کا فیصلہ اور عزم کریں۔ ہندوستان کی تحریکِ آزادی میں، ہندوؤں کے پیش نظر ایک قومی یا وطنی مملکت کا قیام تھا۔ اس کے برعکس تحریکِ پاکستان کے پیش نظر اس قسم کی مملکت کا قیام تھا جس کا تصور قرآن نے دیا تھا۔ اس کا صحیح نام تو قرآنی مملکت تھا لیکن غیر مسلموں کو سمجھانے کے لئے (نیز اسے تھیاکریٹک سٹیٹ سے متمیز کرنے کے لئے) پہلے علامہ اقبالؒ نے اور اس کے بعد قائداعظمؒ نے اسے نظریاتی مملکت (IDEOLOGICAL STATE) کہہ کر پکارا — یعنی وہ مملکت جس کی بنیاد ایک خاص نظریۂ حیات (IDIOLOGY) پر ہوگی۔ اسی سے نظریۂ پاکستان (IDEOLOGY OF PAKSTAN) کی اصطلاح وجود میں آئی۔ یعنی ایسی مملکت جو ہمارے، آپ کے، یا ہندوستان میں بسنے والے افراد کی اکثریت کے، یا وہاں کی پوری کی پوری آبادی کے ذاتی خیالات یا مقاصد کے مطابق متشکل نہیں ہوگی بلکہ قرآنی اقدار کے فروغ اور برومندی کے لئے وجود میں لائی جائے گی۔

آگے بڑھنے سے پہلے، ایک نکتہ کی وضاحت ضروری معلوم ہوتی ہے اور وہ یہ کہ ہم ان مقامات میں، ''اسلام'' کی جگہ ''قرآن'' کا لفظ استعمال کرتے ہیں۔ جیسا کہ پہلے لکھا جا چکا ہے، لفظ ''اسلام'' کا مروّجہ مفہوم، متعین نہیں رہا۔ اس لئے جب اس لفظ کا استعمال کیا جاتا ہے تو کسی کے سامنے نہ کوئی متعین مفہوم آتا ہے، اور نہ اسے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کے معانی متعین کرنے کے لئے کس طرف رجوع کیا جائے۔ اس کے برعکس، جب لفظ ''قرآن'' استعمال کیا جائے تو اس سے ہر ایک کی نگاہ ایک خاص کتاب کی طرف اٹھتی ہے جس کے متعلق ہر مسلمان کا ایمان ہے کہ وہ خدا کی عطا کردہ ہے اور ہمارے لئے ابدی راہنمائی کا ذریعہ۔ لہٰذا، اس ذہنی خلفشار اور نظری انتشار کے عالم میں ''قرآن'' کے لفظ سے، کم از کم توجہات ایک مرکز پہ تو مرکوز ہو جاتی ہیں۔ یہ وجہ ہے کہ ہم اسلام کے بجائے قرآن کا لفظ استعمال کیا کرتے ہیں۔ ورنہ اگر صدرِ اوّل کی طرح اسلام کا متعین مفہوم ہمارے سامنے ہوتا تو اسلام اور قرآن کے الفاظ کا عملاً مفہوم ایک ہی ہوتا — اسلام اس نہجِ زندگی کا نام ہے جو قرآن کے مطابق بسر کی جائے۔ یہی وہ حقیقت ہے جس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اقبالؒ نے کہا تھا کہ ؎

گر تو می خواہی مسلماں زیستن
نیست ممکن جز بہ قرآن زیستن

چونکہ گروہ بندانہ مفاد کا تقاضا یہ ہوتا ہے (خواہ وہ مذہبی فرقوں کی شکل میں ہو اور خواہ سیاسی پارٹیوں کی صورت میں) کہ قوم کے سامنے، اس کے نظریۂ حیات اور نصب العینِ زندگی کے متعلق کوئی متفق علیہ اور متعین مفہوم نہ آئے پائے، اس لئے قرآن کا نام سامنے لانے سے ان کی طرف سے یہ اعتراض وارد کر دیا جاتا ہے کہ قرآن بے شک ایک متعین کتاب کا نام ہے لیکن اس کتاب کا مفہوم تو متعین نہیں۔ اس کی تعبیر الگ الگ کی جاتی ہے لہٰذا، اس سے بھی انتشار اور خلفشار کی وہی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے جو لفظ ''اسلام'' سے پیدا ہوتی ہے۔ اس سلسلہ میں سب سے پہلے تو یہ دیکھئے کہ (انسانی تصانیف میں بھی) ایک عمدہ کتاب کی بنیادی خوبی یہ قرار دی جاتی ہے

کہ وہ اپنے مفہوم کو واضح اور متعین طور پر سامنے لائے۔ اگر کوئی تحریر ایسے الفاظ میں منضبط ہو کہ وہ ہر شخص کو اس کی منشاء کے مطابق (الگ الگ) معانی دے دے، تو وہ کتاب اٹھا کر پھینک دینے کے قابل سمجھی جاتی ہے۔ جب انسانی تصانیف کے عمدہ ہونے کا معیار یہ ہے تو ایک ایسی کتاب جس کے متعلق ہمارا ایمان ہے کہ وہ کسی انسان کی نہیں، بلکہ انسانوں سے بلند و بالا، خود خدا کی تصنیف ہے، کیا اس کی کیفیت یہ ہوگی کہ اس کے الفاظ، مختلف اور متضاد معانی دینے کے قابل (CAPABLE) ہوں؟ بالخصوص جبکہ اس کا دعویٰ یہ ہو کہ اس اس کے منجانب اللہ ہونے کی دلیل یہ ہے کہ اس میں کوئی اختلافی بات نہیں — اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ ؕ وَلَوْ کَانَ مِنْ عِنْدِ غَیْرِ اللّٰہِ لَوَجَدُوْا فِیْہِ اخْتِلَافًا کَثِیْرًا ..... (4:82) ''کیا یہ لوگ قرآن میں غور و فکر نہیں کرتے۔ اگر یہ اس میں غور و فکر سے کام لیں تو ان پر یہ حقیقت واشگاف ہو جائے کہ اگر یہ کتاب خدا کے سوا کسی اور کی طرف سے ہوتی تو اس میں وہ بہت سے اختلافات پاتے — سوچئے کہ جس کتاب کا بنیادی دعویٰ یہ ہو، کیا اس کی کیفیت یہ ہوگی کہ وہ ہر ایک کو الگ الگ تعلیم دے؟

دوسری بات یہ سمجھ لینی چاہئے کہ قرآنِ کریم کی تعلیم کا ایک حصہ وہ ہے جس میں اس نے انسانی زندگی کے لئے راہنمائی دی ہے (اور یہی حصہ اس کے بنیادی مقصد سے متعلق ہے) انہیں اصولِ حیات یا مستقل اقدار کہا جائے گا — یہ اصول و اقدار بالکل واضح اور متعین ہیں اور ان کے سمجھنے میں کوئی اختلاف نہیں پیدا ہو سکتا۔ امورِ مملکت کا تعلق اسی گوشہ سے ہے۔ قرآنی تعلیم کا دوسرا گوشہ وہ ہے جس کا تعلق حقائقِ کائنات اور مابعد الطبیعاتی مسائل (META PHYSICS) سے ہے۔ ان حقائق کے سمجھنے کا مدار، انفرادی فکر اور بہ ہیئت مجموعی انسانی علم کی سطح پر ہے۔ جوں جوں انسانی علم کی سطح بلند ہوتی جائے گی۔ یہ حقائق بے نقاب ہوتے جائیں گے اور کوئی شخص جس قدر زیادہ غور و فکر سے کام لے گا، وہ انہیں اسی قدر زیادہ عمدگی سے سمجھ سکے گا۔ مثلاً قرآنِ کریم میں ہے کہ:

وَمِنْ اٰیٰتِہٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَثَّ فِیْھِمَا مِنْ دَآبَّۃٍ ؕ وَھُوَ عَلٰی جَمْعِھِمْ اِذَا یَشَآءُ قَدِیْرٌ (42:29)

اور خدا کی نشانیوں میں سے یہ بھی ہے کہ اس نے ارض و سمٰوٰت (زمین اور دیگر اجرامِ فلکی) کو پیدا کیا۔ اور ان میں ذی حیات کو پھیلا دیا۔ اور وہ اس پر بھی قادر ہے کہ اپنے قانونِ مشیت کے مطابق زمین اور ان اجرام کے ذی حیات کو اکٹھا کر دے۔

ظاہر ہے کہ اس آیت کا مفہوم آج سے کچھ عرصہ پہلے کچھ اور لیا جاتا تھا اور آج (بالخصوص تسخیرِ قمر کے بعد) اس کا مفہوم واضح ہوتا چلا جا رہا ہے۔ اور جس دن کسی اور کرہ کے ذی حیات زمین پر لائے جائیں گے یا ہم وہاں جا سکیں گے تو اس آیت کا مفہوم متعین ہو جائے گا۔ اسی قسم کے حقائق ہیں جن کا صحیح مفہوم سامنے آنے کے سلسلہ میں فرمایا کہ:

سَنُرِیْھِمْ اٰیٰتِنَا فِی الْاٰفَاقِ وَفِیْٓ اَنْفُسِھِمْ حَتّٰی یَتَبَیَّنَ لَھُمْ اَنَّہُ الْحَقُّ ..... (41:53)

ہم انہیں، خارجی کائنات اور خود ان کی دنیا میں اپنی نشانیاں دکھاتے چلے جائیں گے۔ تا آنکہ یہ بات واضح طور پر ان کے سامنے آ جائے کہ قرآن جو کچھ کہتا ہے وہ حقیقت پر مبنی ہے۔

یوں اِن حقائق کا مفہوم متعین ہوتا جائے گا۔ اور ظاہر ہے کہ ''ان نشانیوں کے بے نقاب ہونے کے بعد بھی' ان کا مفہوم' ہر شخص کی علمی اور فکری استعداد کے مطابق اس کی سمجھ میں آئے گا۔

لیکن یہ شرائط' بسیط حقائق کے مفہوم سے متعلق ہیں۔ جہاں تک انسانی زندگی کی راہنمائی اور امورِ مملکت کا تعلق ہے' قرآنی اصول واقدار کا مفہوم متعین اور واضح ہے۔ (مثلاً) جب وہ اسلامی مملکت کے متعلق کہتا ہے کہ — وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ (42:38) — ان کے معاملات باہمی مشاورت سے طے ہوں گے — تو فرمایئے کہ اس اصول کا مفہوم سمجھنے میں کسی قسم کا الجھاؤ یا اختلاف پیدا ہوسکتا ہے؟ (یاد رکھئے۔ قرآن' اصول دیتا ہے۔ ان اصولوں کو بروئے کار لانے کا پروگرام' ہر دَور کی قرآنی مملکت خود متعین کرتی ہے)۔

لہٰذا' اگر نظریۂ پاکستان (یا اسلامی مملکت کے اصول ومبانی) کا تعین قرآنِ کریم کی رُو سے کیا جائے تو اس کے مفہوم میں نہ کوئی الجھاؤ یا ابہام رہ سکتا ہے' نہ اختلاف یا تضاد پیدا ہوسکتا۔

☆.....☆.....☆

قرآنِ کریم کی رُو سے' اسلامی مملکت کی بنیاد اس حقیقتِ کبریٰ پر ہے کہ اس میں کوئی شخص نہ کسی دوسرے شخص کا محکوم ہوتا ہے نہ محتاج۔ اقبالؒ کے الفاظ میں ؎

کس در ایں جا سائل و محروم نیست
عبد و مولا' حاکم و محکوم نیست

اس میں حکومت صرف خدا کی ہوتی ہے۔ لیکن یہ اصول' وضاحت طلب ہے۔ ظاہر ہے کہ خدا خود حکومت کرنے کے لئے تو سامنے نہیں آتا' اس لئے سوال یہ پیدا ہوگا کہ خدا کی حکومت کس طرح قائم ہوگی؟ ایک حکومت تو شخصی ہوتی ہے یعنی مملکت کا پورا اقتدار ایک شخص کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔ وہ جو حکم دے' اس کی اطاعت ضروری ہوتی ہے۔ اس کی مملکت میں نہ کوئی شخص یہ جان سکتا ہے کہ اس (صاحبِ حکومت) نے کل کو کیا حکم دے دینا ہے نہ کسی کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس نے وہ حکم کیوں دیا ہے۔ اس اندازِ حکومت کو ملوکیت کہا جاتا ہے۔ قرآن' اس قسم کی حکومت قائم نہیں کرنا چاہتا' اس لئے ''خدا کی حکومت'' بھی ملوکیت کے انداز کی نہیں ہوتی۔ دوسرا اسلوبِ حکومت یہ ہے کہ اطاعت قوانین کی ہو اور قوانین کی غرض وغایت اور علت وحکمت کا ہر ایک کو علم ہو — قرآن' اسی نہج کی حکومت قائم کرنا چاہتا ہے۔ اس مقصد کے لئے' خدا نے ایک ضابطہ قوانین..... دے دیا ہے جس میں یہ بھی بتا دیا گیا ہے کہ ان قوانین کی حکمت اور غایت کیا ہے۔ اس ضابطہ قوانین (قرآن) کی اطاعت کا نام خدا کی محکومیت ہے اور یہی مومن اور کافر کا امتیازی نشان ہے۔ قرآن میں ہے:۔

وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ (5:44)

جو کتاب اللہ کے مطابق حکومت قائم نہیں کرتے تو یہی لوگ کافر ہیں۔

اور اس کے بعد، خود رسولؐ اللہ سے ارشاد ہوا کہ

فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ عَمَّا جَآءَكَ مِنَ الْحَقِّ ..... (5:48)

(اے رسولؐ!) تو ان لوگوں میں کتاب اللہ کے مطابق حکومت قائم کر (ان کے معاملات کے فیصلے اس کے مطابق کر) اور جب یہ کتاب (الحق) تمہارے پاس آ چکی ہے تو پھر انسانوں کے خیالات اور آراء کا اتباع مت کر۔

یہ ہے خدا کی حکومت قائم کرنے (یا اس کی محکومیت اختیار کرنے) کا عملی طریقہ۔ یعنی قرآنی اصول واقدار کو حکومت کا آئین قرار دینا اور اس کے قوانین وضوابط کو ملک میں نافذ کرنا۔ یہ وہ بنیادی حقیقت تھی جس کا اظہار علامہ اقبالؒ اور قائداعظمؒ بار بار کرتے رہے۔ یعنی یہ کہ حکومت کا حق خدا کے سوا کسی کو نہیں اور اس کی عملی شکل یہ ہے کہ مملکت میں، ہماری آزادی اور پابندی کے حدود، خدا کی کتاب کے اصول واحکام کی رُو سے متعین ہوں۔ بالفاظِ دیگر، نظریۂ پاکستان سے مراد ہے قرآن کی حکمرانی۔

جیسا کہ اوپر بیان کیا جا چکا ہے، قرآنِ کریم نے دین کی اساس وبنیاد اس حقیقت کو قرار دیا ہے کہ حقِ حکومت خدا کے سوا کسی کو نہیں۔ اس حقیقت کے اظہار کے لئے اس نے ایک جامع فقرہ استعمال کیا ہے اور وہ ہے — لاالہ الا اللّٰہ — دنیا میں کوئی ہستی (شخص۔ گروہ یا ادارہ) ایسی نہیں جس کی محکومیت اختیار کی جائے بجز اللہ کے — محکومیت صرف خدا کی اختیار کی جا سکتی ہے۔

حکمراں ہے اک وہی باقی بتانِ آذری

لیکن ہماری قسمتی کہ جب دین، مذہب سے بدلا تو، قرآن کے دیگر مہمات اصول کی طرح، اس بنیادی کلمہ کے معانی اور مفہوم بھی یکسر بدل گئے۔ اب ان الفاظ کا ترجمہ کیا جاتا ہے کہ — ''دنیا میں کوئی شے یا ہستی پرستش کے قابل نہیں سوائے اللہ کے'' — دین میں الٰہ سے مراد، صاحبِ اقتدار واختیار تھا — مذہب میں اس کا مفہوم ''پرستش کی شے'' ہو گیا۔ اسلام کا اساسی اصول، لا الٰہ الا اللہ کے مختصر لیکن بے حد جامع الفاظ میں مرتکز ہے اور اسی کو کلمہ یا کلمہ طیبہ سے تعبیر کیا جاتا ہے جس کے معنی اصولِ محکم کے ہیں — جب دین میں اسے کلمہ کہا گیا تھا تو اس سے جو عملی نقشہ سامنے آتا تھا اس کے متعلق قرآنی تصریحات اوپر پیش کی جا چکی ہیں۔ لیکن اس کے بعد یہی کلمہ، ایک رسم بن کر رہ گیا، یا زیادہ سے زیادہ علم الکلام کا ایک مسئلہ۔ (یا اہل تصوف کا سرِ باطن، جنہوں نے، وحدت الوجود کے فلسفہ کی رُو سے اس کے معنی یہ کر دیئے کہ دنیا میں کوئی معبود ایسا نہیں جو خود خدا نہ ہو۔ یعنی انسانوں نے جتنے معبود تراش رکھے ہیں وہ سب خدا ہی کی مختلف شکلیں ہیں۔ معاذ اللہ۔ معاذ اللہ) بہر حال، ہم کہہ رہے تھے کہ قرآن نے اسلامی مملکت کے اساسی اصول کو لا الٰہ الا اللہ کے کلمہ سے تعبیر کیا ہے اور اس کا عملی مفہوم یہ ہے کہ مملکت میں اقتدارِ اعلیٰ، قرآنِ مجید کے احکام واصول واقدار کو حاصل ہوگا، کسی اور کو نہیں۔ لا الٰہ میں دنیا کے ہر صاحبِ اقتدار شخص یا ادارہ کی نفی کی گئی ہے۔

لیکن ہمارے ہاں، جو حضرات اسلامی حکومت کے قیام اور نظریۂ پاکستان کے تحفظ کے مدعی ہیں ان میں سے کوئی بھی اس اساس کو

تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں۔ اس لئے کہ اس اساس پر اُمتِ واحدہ کی عمارت استوار ہوتی ہے جس میں نہ مذہبی فرقوں کی گنجائش ہوتی ہے نہ سیاسی پارٹیوں کے لئے کوئی جگہ — نہ جغرافیائی حدود کی بنا پر علاقائی تفریق روا رکھی جاسکتی ہے اور نہ نسلی امتیاز کی بنا پر کوئی تمیز۔ اس میں ساری کی ساری اُمت، غیر مسلموں کے مقابلہ میں ایک پارٹی (حزب اللہ) ہوتی ہے جس کے اندر فرقہ سازی یا پارٹی بازی، یا اسی قسم کی کوئی اور تفریق، شرک سمجھی جاتی اور حکمتِ فرعونی قرار پاتی ہے۔(28:4) یہ وجہ ہے کہ یہ حضرات (لفظ اسلام کی طرح) ''نظریۂ پاکستان'' کے الفاظ کو تو اس شد و مد سے دہراتے رہتے ہیں لیکن اس کا متعین مفہوم کبھی پیش نہیں کرتے۔ فرقہ بندیوں اور پارٹی بازیوں میں الجھی اور کھوئی ہوئی قوم، توحیدِ خالص کی طرف آنا ہی نہیں چاہتی۔ قرآن کے الفاظ میں — **اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَحْدَهُ اشْمَاَزَّتْ قُلُوْبُ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ ۚ وَاِذَا ذُكِرَ الَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ** (39:45) ان کی کیفیت یہ ہے کہ جب ان لوگوں کے سامنے، جو آخرت کے منکر ہیں، خدائے واحد کا تصور پیش کیا جاتا ہے تو وہ سخت کبیدہ خاطر ہو جاتے ہیں۔ اور جب خدا کے علاوہ، اوروں کا ذکر کیا جائے تو وہ ہشاش بشاش ہو جاتے ہیں۔ دوسری جگہ ہے کہ اہل جہنم سے کہا جائے گا کہ **اِذَا دُعِيَ اللّٰهُ وَحْدَهٗ كَفَرْتُمْ ۚ وَاِنْ يُّشْرَكْ بِهٖ تُؤْمِنُوْا ؕ**..... جب تمہیں خدائے واحد کی طرف دعوت دی جاتی تھی تو تم اس سے انکار کرتے تھے۔ اور جب اس کے ساتھ اوروں کو بھی شریک کیا جاتا تھا تو تم اس اسلوبِ حکومت کو صحیح تسلیم کر لیتے تھے، حالانکہ حقیقت یہ تھی (اور ہے) کہ **فَالْحُكْمُ لِلّٰهِ الْعَلِيِّ الْكَبِيْرِ** (40:12) حکومت صرف خدا کی ہو سکتی ہے۔ وہی علو اور کبریائی کا مالک ہے۔ سورۂ بنی اسرائیل میں ہے: اذا ذکرت ربك فی القرآن وحده ولوا علی ادبارهم نفورا (17:26) جب تو قرآن میں خدائے واحد کا ذکر کرتا ہے تو یہ لوگ، نفرت آگیں انداز سے منہ موڑ کر چل دیتے ہیں۔ چنانچہ آج بھی کیفیت یہ ہے کہ خدائے واحد (یعنی قرآنِ خالص) کی حکمرانی کو نہ ہما اندہب پرست حلقہ گوارا کرتا ہے نہ سیکولرازم کا حامی گروہ — نہ دیر میں، نہ حرم میں خودی کی بیداری — کیونکہ اس سے ان کے مفادات پر زد پڑتی ہے اور ان کے فرقے اور پارٹیاں باقی نہیں رہتیں۔ حتیٰ کہ ان کا حق حکومت بھی باقی نہیں رہتا۔ لیکن ان میں اتنی جرأت بھی نہیں کہ یہ اپنے اس کفر و شرک کا اعلان یا اعتراف کریں۔ اس کے لئے انہوں نے ٹیکنیک یہ اختیار کر رکھی ہے کہ اسلام یا نظریۂ پاکستان جیسی اصطلاحات کا مفہوم متعین نہ کیا جائے۔ انہیں مبہم رکھا جائے۔

ہمارے ہاں یہ شعر جو زبان زدۂ خلائق ہے کہ

پاکستان کا مطلب کیا لا الٰہ الا اللہ!

معلوم نہیں کہنے والے کے سامنے اس کا وہ مفہوم تھا یا نہیں جو قرآنِ کریم کی رُو سے، اوپر بیان کیا گیا ہے، لیکن بات اس نے پتہ کی کہی تھی۔ حقیقت یہی ہے کہ پاکستان (یا اسلامی مملکت) کی اساس، لا الٰہ الا اللہ ہے۔ اور اس سے مراد ہے — خدا کی کتاب (قرآنِ مجید) کی حکمرانی — یہی نظریۂ پاکستان سے مراد ہے۔

☆.....☆.....☆

شِرک اور مقامِ انسانیت

(پرویز صاحب کا ایک درس)

شرک کا عام تصور

شرک کو اللہ تعالیٰ نے جرمِ عظیم قرار دیا ہے — ایسا جرم ''جس کی بخشش نہیں ہوسکتی''۔ سوال یہ ہے کہ شرک کیا ہے اور وہ کیوں اس قدر سنگین جرم ہے۔ شرک کے متعلق عام تصور یہی ہے کہ خدا کے سوا دوسروں کی پرستش کرنا شرک ہے اور اس کی محسوس اور بین مثال بت پرستی ہے — اور چونکہ مسلمان بتوں کو نہیں پوجتا اس لئے وہ مطمئن رہتا ہے کہ میں شرک کا مرتکب نہیں ہوتا۔ یہ تو ہوا شرک۔ اب رہی یہ بات کہ اسے اللہ تعالیٰ نے ایسا سنگین جرم کیوں قرار دیا ہے — تو اس کے متعلق کہہ دیا جاتا ہے کہ خدا بھلا اسے کس طرح برداشت کرسکتا ہے کہ اس کے ساتھ اوروں کی بھی پرستش کی جائے۔ یعنی اس سے چونکہ (معاذ اللہ) خدا کا کچھ بگڑتا ہے یا اس کی غیرت اسے گوارا نہیں کرسکتی کہ کسی کو اس کا ہمسر بنا دیا جائے اس لئے وہ اس جرم کو کبھی نہیں بخشتا۔ آپ غور کیجئے کہ اس توجیہہ کی رُو سے خود خدا کے متعلق کیا تصور پیدا ہوتا ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ ایک شرک پر ہی کیا موقوف ہے خدا کی عبادت۔ اس کے احکام کی فرماں برداری۔ حقوق اللہ کی ادائیگی وغیرہ کے سلسلے میں جو عام عقیدہ ہمارے ہاں رائج ہے اس کی رُو سے خدا کے متعلق تصور ہی یہ پیدا ہوتا ہے کہ خدا کے کچھ اپنے مقاصد ہیں جنہیں وہ اس طرح ہم سے پورے کرانا چاہتا ہے۔ جب ہم قرآنِ کریم کی وہ آیت سنتے ہیں جس میں کہا گیا ہے کہ ہم نے جنوں اور انسانوں کو پیدا ہی اس لئے کیا ہے کہ ہماری عبادت کریں۔ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ (51:56) تو اس سے ہمارے اس عقیدہ کو اور پختگی حاصل ہوجاتی ہے کہ خدا کے سامنے کوئی اپنا پروگرام تھا جس کی تکمیل کے لئے اس نے ہمیں پیدا کرکے یہ فریضہ عائد کردیا کہ ہم اس کی عبادت کرتے رہیں۔ خدا کے متعلق یہ تصور صحیح نہیں، وہ اپنے کسی پروگرام کی تکمیل کے لئے کسی کا محتاج نہیں۔ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ (3:97) وہ جو احکام ہمیں دیتا ہے اس لئے نہیں کہ اس کی بجا آوری سے کچھ اس کا سنورتا ہے اور اگر ان کی تعمیل نہ کی جائے تو اس سے کچھ اس کا بگڑتا ہے۔ قطعاً نہیں۔ ان احکام کی بجا آوری سے کچھ ہمارا ہی ایک عظیم مقصد حاصل ہوتا ہے اور اس سے انکار کرنے سے ہمارا ہی نقصان ہوتا ہے۔ خدا تو اس وقت بھی خدا تھا جب اسے کوئی ماننے والا نہیں تھا اور اگر آج بھی دنیا کے تمام انسان اس کی ہستی سے انکار کردیں تو اس سے اس کا کچھ نہیں بگڑ سکتا۔ (بلا تمثیل) سورج اس زمانے میں بھی اسی طرح روشنی دیتا تھا جب کوئی آنکھ اسے دیکھنے والی نہیں تھی اور اگر آج ساری دنیا کے انسان اپنی آنکھیں بند کرکے بیٹھ جائیں تو اس سے سورج کا قطعاً کوئی نقصان نہیں ہوتا، نہ ہی اس کے ساتھ کسی اور کو شریک کرنے سے اس کا کچھ بگڑتا ہے۔ ''ایک خدا'' ماننے میں ہمارا ہی فائدہ ہے، اور اس کے ساتھ اوروں کو شریک کرنے سے ہمارا ہی نقصان۔ اور یہ نقصان اتنا بڑا ہے کہ اس کی تلافی نہیں ہوسکتی — یہی مفہوم

ہے اس ارشادِ خداوندی کا کہ شرک بخشا نہیں جا سکتا۔

شرک اور خوف

شرک کے اس ''نقصانِ عظیم'' کی تفصیل تو طول طویل ہے لیکن قرآن نے اپنے مخصوص معجزانہ انداز سے اس تفصیل کو دو لفظوں میں سمٹا کر رکھ دیا۔ جب کہا کہ: سَنُلْقِیْ فِیْ قُلُوْبِ الَّذِیْنَ کَفَرُوا الرُّعْبَ بِمَآ اَشْرَکُوْا بِاللّٰہِ مَا لَمْ یُنَزِّلْ بِہٖ سُلْطٰنًا (3:151) جو لوگ اس حقیقت سے انکار کرتے ہیں' ہم ان کے دلوں میں رعب ڈال دیں گے۔ ان پر خوف طاری ہو جائے گا۔ اس لئے کہ وہ خدا کے ساتھ اس کے شریک ٹھہراتے ہیں جس کی کوئی سند خدا نے نازل نہیں کی۔ بات بالکل واضح ہے۔ قرآن کا ارشاد ہے کہ شرک سے انسان کے دل میں خوف پیدا ہو جاتا ہے۔ علامہ اقبالؒ کے الفاظ میں:۔

ہر کہ رمز مصطفٰے فہمیدہ است
خوف را در شرک مضمر دیدہ است

اس کے برعکس ایک خدا کو ماننے والے (مومنین) کی بنیادی خصوصیت یہ ہے کہ فَلَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ (2:38) ان پر کسی قسم کا خوف وحزن نہیں ہوتا۔ یعنی شرک سے خوف پیدا ہوتا ہے اور توحید کا لازمی نتیجہ بے خوفی ہے۔ اور یہ مومن اور مشرک کا بنیادی خطِ امتیاز ہے۔ آیئے ہم قرآنِ کریم سے اس اجمال کی تفصیل دیکھیں۔

مظاہرِ فطرت کی پرستش

جب ذہن انسانی عہدِ طفولیت میں تھا (اور اب بھی دنیا کی بیشتر آبادی کا یہی عالم ہے) تو وہ فطرت کی مختلف قوتوں کو دیوی دیوتا سمجھ کر اُن کے حضور جھکتا اور گڑگڑاتا —— بجلی چمکی اور وہ سہم کر ہاتھ باندھنے لگ گیا۔ بادل گرجا اور وہ ڈر کر سجدے میں گر گیا۔ دریا کی طغیانیوں کو دیکھا تو وہ کانپ اٹھا۔ چیچک یا طاعون جیسی وبائی بیماریاں پھوٹیں اور اس نے کسی اَن دیکھی قوت کے سامنے ڈنڈوت بجالانا شروع کر دیا —— غرضیکہ ایک انسان تھا اور اسے اپنے چاروں طرف بلاؤں کا ہجوم نظر آتا تھا جن سے وہ ہر وقت ڈرتا۔ کانپتا رہتا تھا۔ خوف —— ہر طرف سے خوف۔ ڈر' چاروں طرف سے ڈر۔ یہ تھی اس وقت انسان کی زندگی۔ اس سے بچنے کے لئے اسے اس کے سوا کچھ نہیں سوجھتا تھا کہ وہ ان اَن دیکھی قوتوں کو ''خدا'' سمجھ کر انہیں راضی رکھنے کی کوشش کرے۔ انہی اَن دیکھی قوتوں کو اس نے محسوس شکلوں میں تراش کر بت پرستی شروع کر دی۔

انسان یہ کچھ کیوں کرتا تھا؟ اس لئے کہ وہ اپنے مقام سے آشنا نہیں تھا۔ قرآن آیا اور اس نے انسان سے کہا کہ

قرآن کا پیغام

وَسَخَّرَ لَکُمْ مَّا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا مِّنْہُ (45:13) کائنات کی پستیوں اور بلندیوں میں جو کچھ ہے وہ سب قانون کی زنجیروں میں جکڑ دیا گیا ہے تا کہ انسان اُن سے کام لے سکے۔ اس نے داستانِ آدم کے تمثیلی انداز میں بتایا کہ ''ملائکہ'' انسان کے

سامنے سجدہ ریز ہیں۔ فطرت کی کوئی قوت ایسی نہیں جو انسان کے سامنے نہ جھک سکے۔ قرآن کی اس اک انقلابی تعلیم نے۔ ساجد کو مسجود اور مسجود کو ساجد بنا دیا۔ اس نے بتا دیا کہ جو انسان اپنے آپ کو فطرت کی ان قوتوں سے فروتر اور کمزور سمجھتا ہے وہ مقامِ آدمیت سے گرا ہوا ہے۔ انسان ان قوتوں (دیوی، دیوتاؤں) کو اپنے سامنے جھکانے کے لئے آیا ہے، ان کے سامنے جھکنے کے لئے نہیں آیا۔ جو ان کے سامنے جھکتا ہے اپنی تذلیل کرتا ہے۔ جو انہیں اپنے سے بڑا مانتا ہے اپنے شرف اور فضیلت سے انکار کرتا ہے۔

اس سے آپ نے دیکھا کہ فطرت کی قوتوں کو خدا ماننے والا اور ان کے محسوس مظاہر (مٹی اور پتھر کی مورتیوں۔ بتوں) کے سامنے جھکنے والا خدا کا کچھ نہیں بگاڑتا، اپنے آپ کو ذلیل کرتا ہے۔

انسانوں کی پرستش

فطرت کی قوتوں سے آگے بڑھے تو بعض انسانوں نے دوسرے انسانوں کے سامنے جھکنا شروع کر دیا، راجہ کو ایشور کا اوتار۔ سلطان کو ظل اللہ علی الارض (زمین پر خدا کا سایہ) بادشاہوں کو خدائی اختیارات کا حامل سمجھ کر ان کے حضور گڑگڑانا شروع کر دیا۔ انہیں اَن داتا (رزق دینے والا) تصور کر کے ان سے ڈرنے اور کانپنے لگا۔ راجہ اور بادشاہ تو خیر پھر بھی محسوس قوتوں کے مالک تھے، اس نے مذہبی پیشواؤں اور ''روحانی مقتداؤں'' کو قضا و قدر کے احکامات کا مالک سمجھ کر ان کی پرستش شروع کر دی۔ وہ انہیں راضی رکھنے کے لئے ان کے آستانوں پر جبہ سائی کرنے لگا اور ان کے احکام کی خلاف ورزی کے تصور تک سے کانپنے لگا۔ خلاف ورزیٔ احکام'' تو ایک طرف، اگر ان کی شان کے خلاف دل کی گہرائیوں میں بھی کوئی خیال گزرا تو سہم گیا کہ نہ معلوم اب کیا قیامت آ جائے گی۔ رفتہ رفتہ یہ سلسلہ یہاں تک بڑھ گیا کہ زندہ انسان تو ایک طرف مُردوں تک کے متعلق یہ عقیدہ قائم کر لیا گیا کہ وہ بڑی قوتوں کے مالک ہیں۔ ان کے اختیارات بڑے وسیع ہیں۔ ان کو خوش کر دینے سے انسان کی مرادیں بر آتی ہیں۔ ان کی ناراضگی سے مصیبتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑتے ہیں جن سے کہیں پناہ نہیں مل سکتی۔

مساواتِ اِنسانیہ

قرآن آیا اور اس نے کہا کہ ایک انسان کا دوسرے انسان کو خدا بنا کر اس سے ڈرنا اور کانپنا انسانیت کی انتہائی تذلیل ہے۔ کسی انسان کو دوسرے انسان پر کسی قسم کا اختیار و اقتدار حاصل نہیں۔ انسان ہونے کی جہت سے سب برابر اور یکساں طور پر واجب التکریم ہیں۔ اِنَّ الَّذِیۡنَ تَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ عِبَادٌ اَمۡثَالُکُمۡ (7:194) جن لوگوں کو تم خدا کو چھوڑ کر پکارتے ہو، وہ تمہارے جیسے (خدا کے) بندے ہیں۔ تم انہیں جن قوتوں کا مالک سمجھتے ہو ان کی حیثیت مکڑی کے جالے سے زیادہ کچھ نہیں۔ مکڑی کے جالے کی کیفیت یہ ہوتی ہے کہ وہ اپنے سے کمزور کو پھانس لیتا ہے لیکن صاحبِ قوت کے سامنے ایک سیکنڈ کے لئے نہیں ٹھہر سکتا۔ مَثَلُ الَّذِیۡنَ اتَّخَذُوۡا مِنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ اَوۡلِیَآءَ کَمَثَلِ الۡعَنۡکَبُوۡتِ ۚ اِتَّخَذَتۡ بَیۡتًا ؕ وَ اِنَّ اَوۡہَنَ الۡبُیُوۡتِ لَبَیۡتُ الۡعَنۡکَبُوۡتِ (29:41) جو لوگ اللہ کے سوا اوروں کو اپنا کارساز و کارفرما سمجھ لیتے ہیں ان کی مثال مکڑی کی سی ہے وہ ایک گھر بناتی ہے۔ لیکن کیسا گھر؟ دنیا میں سب سے زیادہ کمزور گھر۔ انسان،

اپنے جیسے انسانوں کو اپنا ''خدا'' بنالیتا ہے ان کی اپنی قوت کچھ نہیں ہوتی' جب تک انہیں خدا مانتے رہیئے وہ خدا بنے بیٹھے رہتے ہیں' جب انہیں ایسا ماننا چھوڑ دیجئے ان کی خدائی ختم ہو جاتی ہے ۔

ایں خدا تا سجدہ اش کر دی خدا ست
چو یکے اندر قیام آئی فناست

لہٰذا کسی انسان کو خدا بنا کر اس کے سامنے جھکنا شرفِ انسانیت کی انتہائی تذلیل ہے۔ اور جب زندہ انسان کے سامنے جھکنے کی یہ کیفیت ہے' تو مردہ انسان کے حضور' زندہ انسان کا جھکنا اور اس کے سامنے گڑگڑانا انسانیت کی ایسی ذلت ہے جس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔

مقامِ آدم

قرآن نے انسان سے کہا کہ تیری دُنیا میں تجھ سے بلند مقام کسی کا نہیں۔ فطرت کی قوتیں سب تیری خادم ہیں۔ تو ان کا مخدوم اور مسجود ہے۔ باقی رہے انسان۔ سو انسان ہونے کی حیثیت سے سب ایک جیسے ہیں۔

ہاں! انسان سے بلند اور بالا مقام صرف ایک ہستی کا ہے اور وہ ہے ذاتِ خداوندی۔ جس نے تمام کائنات کو پیدا کیا اور خود انسان کو بھی۔ لیکن خدا کی ذات بھی ایسی نہیں جس سے انسان ڈرے اور سہمے۔

قانون والا خدا

ڈرنا اور کانپنا اس سے ہوتا ہے جس کے پاس قوت بے پناہ ہو لیکن وہ کسی قاعدے اور قانون۔ ضابطے اور اصول کا پابند نہ ہو۔ جس کے متعلق معلوم ہی نہ ہو کہ وہ کس بات سے ناراض ہو جائے گا اور کس سے خوش۔ وہ کب خلعت بخش دے گا اور کب کھال کھنچوا دے گا۔ قرآن نے بتایا کہ خدا کی ذات ایسی نہیں۔ اس کی قوتیں بے شک لامحدود ہیں لیکن وہ ان کا استعمال (معاذ اللہ) اندھا دھند نہیں کرتا' ان اصولوں کے ماتحت کرتا ہے جو اس نے خود وضع کئے ہیں اور جن پر وہ خود اپنی مرضی سے پابند ہے اور پابند بھی ایسا کہ ان سے کبھی اِدھر اُدھر نہیں ہٹتا۔ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَحْوِيْلًا (35:43) اور تم خدا کے اصولوں میں کبھی تغیر و تبدل نہیں دیکھو گے۔ اگر تم اس کے مقرر کردہ قوانین کے مطابق کام کرتے جاؤ گے تو تمہیں کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچے گا اور اگر ان کی خلاف ورزی کرو گے تو اس کے تباہ کن نتائج سے تمہیں کوئی بچا نہیں سکے گا۔ وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗٓ اِلَّا هُوَ ۚ وَاِنْ يُّرِدْكَ بِخَيْرٍ فَلَا رَآدَّ لِفَضْلِهٖ (10:107) اگر قانون خداوندی کے مطابق تمہیں کسی قسم کا نقصان پہنچ رہا ہو تو کوئی نہیں جو اسے رفع کر سکے اور اگر اس کے قانون کے مطابق کچھ فائدہ پہنچ رہا ہو تو کسی کی طاقت نہیں جو اس نفع کو تم تک پہنچنے سے روک لے۔

خوف سے مامون

غور کیجئے۔ جس صاحبِ اقتدار کی کیفیت یہ ہو کہ اس نے ہر کام کے نتیجے کے لئے غیر متبدل قوانین مرتب کر دیئے ہوں اور اس

میں کبھی، کسی قسم کی تبدیلی نہ ہوتی ہو، اس کی مملکت میں رہنے والے انسان کس قدر خوف سے مامون ہوں گے۔ انہیں کسی سے ڈرنے کی ضرورت ہی نہیں ہوگی۔ وہ ڈریں گے تو قوانین خداوندی کی خلاف ورزی کے تباہ کن نتائج سے ڈریں گے (اس کو خشیۃ اللّٰہ۔ یا خدا سے ڈرنا کہتے ہیں) — جیسے ہم آگ میں ہاتھ ڈالنے سے ڈرتے ہیں۔ اگر ہم ان قوانین کی خلاف ورزی نہیں کرتے تو ہمارے لئے ڈرنے اور خوف کھانے کی کوئی وجہ نہیں — اور چونکہ ساری کائنات میں قانون صرف خدا کا کارفرما ہے۔ اس میں کوئی اور قوت شریک نہیں۔ وَلَا يُشْرِكُ فِي حُكْمِهِ أَحَدًا (18:26) اس لئے قوانین خداوندی کا اتباع کرنے والے کو نہ کسی سے ڈرنے کی ضرورت ہے نہ کسی کے سامنے جھکنے اور گڑگڑانے کی حاجت — خواہ وہ فطرت کی کوئی قوت ہو، یا کوئی مردہ یا زندہ انسان۔ وہ کسی سے نہیں ڈرتا۔ کسی سے خوف نہیں کھاتا۔ وہ کائنات میں سر اٹھا کر چلتا ہے اور دنیا کی بڑی سے بڑی چوکھٹ سے مستانہ وار گزر جاتا ہے۔ اس کے شرفِ انسانیت کو کہیں ٹھیس نہیں لگتی کسی مقام پر اس کی تذلیل نہیں ہوتی وہ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ کی زندہ شہادت ہوتا ہے۔ اسے ہر طرح کا امن حاصل ہوتا ہے (ایمان کا لازمی نتیجہ امن ہے۔ اس کا مادہ ہی (ا۔م۔ن) ہے۔ مومن وہ ہے جو خود بھی امن میں ہو اور دوسروں کو بھی امن میں رکھے وہ نہ خود کسی کے سامنے جھکے نہ کسی کو اپنے سامنے جھکائے)۔

شرک کی دیگر اقسام

4- لوگوں کے سامنے عام طور پر شرک کی ایک ہی شکل تھی، یعنی بت پرستی۔ لیکن قرآنِ کریم کی نگہ دُوررس اور جز گیر نے ان محسوس پیکروں سے آگے بڑھ کر ان ''خداؤں'' کی بھی نشاندہی کر دی جو انسان کے قلب کی گہرائیوں میں پوشیدہ اور اس کے خون کے ذرّات میں حلول کردہ ہوتے ہیں۔ ہم نے دیکھا ہے کہ توحید نام ہے خالصۃً قوانین خداوندی کے اتباع کا۔ آپ کو معلوم ہے کہ انسان کو قانون کے اتباع سے کون سی چیز روکتی ہے؟ اس کے جذبات! لہٰذا جو انسان قوانین خداوندی کو چھوڑ کر اپنے جذبات کا اتباع کرتا ہے، قرآنِ کریم اسے بھی شرک قرار دیتا ہے۔ وہ کھلے الفاظ میں کہتا ہے کہ أَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلَٰهَهُ هَوَاهُ (25:43) کیا تو نے اس شخص کی حالت پر بھی غور کیا جس نے خود اپنے جذبات ہی کو اپنا الٰہ بنا لیا۔ جب انسانی جذبات قوانین خداوندی سے سرکشی برت کر اپنی من مانی کرنے لگیں تو قرآن اسے شیطنت سے تعبیر کرتا ہے، اور شیطان کے متعلق واضح الفاظ میں کہتا ہے کہ اس کا غلبہ مشرکین پر ہوتا ہے (16:100) یعنی انسان کا، قوانین خداوندی کو چھوڑ کر خود اپنے جذبات کے پیچھے لگ جانا شرک ہے اور ایسا کرنے والا مشرک۔

اسی طرح قرآن نے فرقہ پرستی کو بھی شرک قرار دیا ہے (30:31) اس لئے کہ اس میں بھی انسان، قوانین خداوندی کے اتباع کی بجائے اس انسان یا انسانوں کے گروہ کا اتباع کرتا ہے جن کی طرف وہ فرقہ منسوب ہوتا ہے۔ آپ دیکھیں گے کہ ایسا شخص خدا کے احکام کی خلاف ورزی سے اس قدر نہیں ڈرتا جس قدر اپنے فرقہ کے بانی — یا اس کے نمائندے کے کسی حکم کی نافرمانی سے خوف کھاتا ہے۔

آپ نے غور کیا کہ قرآنِ کریم کی رُو سے شرک کیا ہے؟ کسی چیز کو اس کے صحیح مقام پر نہ رکھنا شرک ہے۔ مثلاً

(1) فطرت کی قوتوں کا مقام یہ ہے کہ وہ انسان کی خادم اور تابع تسخیر ہیں انہیں انسان سے بلند و بالا سمجھنا' انہیں ان کے صحیح مقام سے ہٹا دینا ہے۔

(2) تمام انسان' انسان ہونے کے اعتبار سے یکساں طور پر واجب التکریم ہیں۔ کسی انسان کو حق حاصل نہیں کہ دوسرے انسان کو اپنے سامنے جھکائے۔ لہٰذا کسی انسان کو یہ حیثیت دے دینا کہ دوسرے انسان اس کے سامنے جھکیں اسے اس کے صحیح مقام سے ہٹا دینا ہے۔

(3) ''مردہ بدستِ زندہ'' عام محاورہ ہے اور حقیقت پر مبنی۔ لیکن مردوں کو ایسا صاحبِ اقتدار سمجھ لینا کہ وہ زندہ انسانوں کے مقدرات کو بنا اور بگاڑ سکتے ہیں' مردہ کو اس کے صحیح مقام سے ہٹا دینا ہے۔

(4) خدا کی ذات ایسی ہے کہ انسان اس کے قوانین کا اتباع کرے اور اس میں کسی اور کو شریک نہ کرے۔ اس اطاعت اور اتباع میں کسی اور کو شریک سمجھ لینا خدا کو اس کے صحیح ـــــ بلند و بالا مقام سے نیچے لے آتا ہے۔

''کسی شے کو اس کے اصلی مقام پر نہ رکھنے'' کو عربی زبان میں ظلم کہتے ہیں۔ اس اعتبار سے آپ نے دیکھ لیا ہوگا کہ قرآنِ کریم کی رُو سے سب سے بڑا ظلم' شرک ہے اور اسی حقیقت کی طرف قرآن نے اشارہ کیا ہے جب کہا ہے کہ

اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ (31:13)

شرک سے پستی

شرک ظلم عظیم ہے۔ اس میں کوئی شے اپنے اصلی مقام پر نہیں رہتی۔ باقی چیزوں کو تو چھوڑیئے۔ اس میں انسان' اپنے بلند اور رفیع مقام سے اس بری طرح گرتا ہے کہ اس کے شرف و مجد کا نشان تک باقی نہیں رہتا۔ دیکھئے قرآن نے اس حقیقت کو کیسے دل نشین انداز سے بیان کیا ہے جہاں کہا ہے کہ۔ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَكَاَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَآءِ ـــــ جو اللہ سے شرک کرتا ہے اس کی مثال یوں سمجھو جیسے کوئی شخص آسمان کی بلندیوں سے' زمین کی پستیوں پر آ گرے ـــــ فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ۔ پھر اُسے کوئی (عقاب یا چیل) اُچک کر لے جائے۔ اَوْ تَهْوِيْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ مَكَانٍ سَحِيْقٍ (22:31) یا جیسے گھاس کا کوئی تنکا ہو' جسے تند و تیز ہوا اِدھر اُدھر اڑائے اڑائے پھرے اور کسی دور دراز مقام پر لے جا کر پھینک دے۔

آپ نے دیکھا کہ شرک انسان کو کیا کر دیتا ہے۔ یہ اسے اس کے مقامِ آدمیت سے گرا کر ذلت و خواری کی انتہائی پستیوں میں پہنچا دیتا ہے۔ وہ یوں ڈرا سہما ہوا رہتا ہے جیسے چڑیا کا نوزائیدہ بچہ گھونسلے سے نیچے گر پڑا ہو۔ اور جس تیز چنگل والے پرندے کا جی چاہے اُسے اُچک کر لے جائے۔ وہ اس قدر بے وزن اور بے حقیقت ہو جاتا ہے کہ ہوا کا ہر تیز و تند جھونکا اسے جدھر چاہے اڑائے اڑائے پھرتا ہے۔ شرک سے یہ کیفیت ہو جاتی ہے اس انسان کی جسے خالق کائنات نے ایسا بلند اور مستحکم مقام عطا کیا تھا۔

اختیار وارادہ

قرآنِ کریم نے انسان کا سب سے بڑا شرف یہ بیان کیا ہے کہ اللہ نے اُسے صاحبِ اختیار وارادہ بنایا ہے اور پھر اس کے اس شرف کا اس قدر احترام کیا ہے کہ وہ اس کے اس اختیار وارادہ کو اس سے کبھی نہیں چھینتا۔ وہ اس کے معاملات میں دخل نہیں دیتا۔ وہ اس سے کہتا ہے کہ اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ (41:40) تم اپنے دائرہ اختیارات میں اپنی ''مشیت'' کے مطابق کام کرو۔ تم اپنے فیصلوں کے مطابق جس طرح جی میں آئے کرو۔ اور اس کے نتائج بھگتو۔ یہ ہے انسان کا مقامِ بلند۔ لیکن شرک میں انسان اپنے اختیار وارادہ کو دوسروں کے سپرد کر دیتا ہے اور اس طرح شرفِ انسانیت سے عاری ہو جاتا ہے۔ دیکھئے کہ اس باب میں قرآن کہاں تک آگے جاتا ہے اور انسان کو کس قدر بلند مقام تفویض کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ شرک سے انسان کی کیفیت یہ ہو جاتی ہے کہ اپنے فیصلوں اور کاموں کی ذمہ داری لینے سے ڈرتا ہے۔ اس میں اتنی جرأت نہیں رہتی کہ وہ مردانہ وار کہے کہ ہاں! میں نے یہ کیا ہے اور میں اس کا خمیازہ بھگتنے کے لئے ہر وقت تیار ہوں۔ اس کے برعکس وہ چاہتا ہے کہ اپنے اعمال کی ذمہ داری دوسروں کے سر تھوپ دے۔ سورۂ نحل میں ہے۔ وَقَالَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا عَبَدْنَا مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ (16:35) اور جو لوگ شرک کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ اگر اللہ چاہتا تو ہم اس کے سوا کسی کی عبودیت اختیار نہ کرتے۔ دیکھا آپ نے! شرک سے انسان کے حوصلے کس قدر پست ہو جاتے ہیں۔

☆.....☆.....☆

شرک کی خرابیاں

تصریحات بالا سے یہ نکتہ واضح ہو گیا ہو گا کہ شرک سے مفہوم کیا ہے اور اس سے قرآنِ کریم نے اس شدت سے کیوں منع کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو کائنات میں بہت بلند مقام عطا کیا ہے۔ لیکن شرک سے انسان اپنے آپ کو اس بلند مقام سے گرا کر ذلت وپستی کے عمیق گڑھے میں جا پہنچتا ہے۔ سورۂ اعراف میں ہے: ولو شئنا لرفعنہ بھا۔ اگر انسان ہمارے پروگرام کے مطابق چلتا تو یہ آسمان کی بلندیوں تک پہنچ جاتا۔ ولکنہ اخلد الی الارض۔ لیکن یہ زمین کی پستیوں کے ساتھ چپک جاتا ہے۔ واتبع ھولہ۔ یعنی ہمارے قوانین کا اتباع کر کے دنیا میں سرفرازی سے چلنے کے بجائے اپنے جذبات کا اتباع کرتا ہے اور یوں مشرف ومجد کی بلندیوں سے گر کر ذلت وخواری کی پستیوں میں جا پہنچتا ہے۔ یہ ہے شرک کا نتیجہ۔ یعنی اس سے خدا کا کچھ نہیں بگڑتا۔ خود انسان اپنے بلند مقام کو کھو دیتا ہے اور یہ بہت بڑا نقصان ہے۔ اور کوئی نقصان بھی ہو اس کی تلافی ہو سکتی ہے۔ لیکن جب انسان اپنے مقامِ انسانیت ہی سے گر جائے تو اس نقصان کی تلافی کس طرح ہو سکتی ہے۔ یہی مطلب ہے قرآن کے اس ارشاد کا کہ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ (4:116) خدا کے قانونِ مشیت کے مطابق انسان کے ہر غلط اقدام کے نقصان رساں نتیجہ سے حفاظت کا سامان مل سکتا ہے۔ لیکن جو نقصان شرک سے مرتب ہوتا ہے اس سے حفاظت نہیں مل سکتی۔ انسان اپنے مقام کو نہ کھوئے تو اس کی لغزشوں کی تلافی ہو سکتی ہے۔ لیکن وہ اپنے مقامِ بلند ہی کو کھو بیٹھے تو اس نقصان کی تلافی کس طرح ہو سکتی ہے؟ یہی وجہ ہے کہ انسانیت کی دنیا میں شرک سے

بڑا جرم کوئی نہیں۔ اس سے انسان اپنے مقامِ بلند سے گر جاتا ہے۔ قرآن کی ساری تعلیم کا مقصود و منتہیٰ انسان کو اس کے صحیح مقام تک پہنچا دینا ہے۔ اور یہ توحید کے سوا ممکن ہی نہیں۔ یعنی اس ایمان کے سوا کہ جھکنا صرف قوانین خداوندی کے سامنے ہے۔ کسی اور کے سامنے نہیں ——— یہ ہے صحیح مقامِ انسانیت!

☆.....☆.....☆

قرآن حکیم کے طالب علموں کے لیے خوشخبری

علامہ غلام احمد پرویزؒ کے سات سو سے زائد دروسِ قرآنی پر مبنی تفسیری سلسلہ کے تحت بزم طلوع اسلام لاہور کی طرف سے مندرجہ ذیل تفسیری کتب کی اشاعت الگ الگ جلدوں میں ہو چکی ہے۔ یہ جلدیں 20x30/8 کے بڑے سائز کے بہترین کاغذ پر خوبصورت طباعت اور مضبوط جلد بندی کے ساتھ دستیاب ہیں۔ جن کی تفصیل درج ذیل ہے۔

نام کتاب	سورہ نمبر	صفحات	نیا ہدیہ	نام کتاب	سورہ نمبر	صفحات	نیا ہدیہ
سورہ الفاتحہ	(1)	240	200/-	سورۃ الشعرآء	(26)	454	400/-
سورہ الفاتحہ (سٹوڈنٹ ایڈیشن)	(1)	240	110/-	سورۃ النمل	(27)	280	300/-
سورۃ البقرہ (اول)	(2)	500	400/-	سورہ القصص	(28)	334	350/-
سورۃ البقرہ (دوم)	(2)	538	400/-	سورہ عنکبوت	(29)	388	350/-
سورۃ البقرہ (سوم)	(2)	500	400/-	سورہ روم، لقمان، السجدہ	(30,31,32)	444	400/-
سورۃ النساء	(4)	870	700/-	سورہ احزاب، سبا، فاطر	(33,34,35)	570	400/-
سورہ النحل	(16)	334	300/-	سورہ یٰسین	(36)	164	150/-
سورہ بنی اسرائیل	(17)	396	----	سورہ الصّٰفّٰت، ص، زمر	(37,38,39)	450	400/-
سورۃ الکہف و سورہ مریم	(18-19)	532	400/-	سورۃ مومن، حٰمٓ سجدہ، سورہ شوریٰ	(40,41,42)	624	550/-
سورہ طٰہٰ	(20)	416	350/-	سورۃ زخرف، دخان، جاثیہ، احقاف، محمدؐ	(43-44-45 46-47)	520	500/-
سورۃ الانبیآء	(21)	336	300/-	29واں پارہ (مکمل)	----	544	400/-
سورۃ الحج	(22)	380	350/-	30واں پارہ (مکمل)	----	624	400/-
سورۃ المؤمنون	(23)	408	400/-	شرح جاوید نامہ	----	800	1000/-
سورۃ النور	(24)	264	350/-				
سورۃ الفرقان	(25)	389	350/-				

ملنے کا پتہ: ادارہ طلوع اسلام (رجسٹرڈ) 25/B، گلبرگ 2، لاہور، فون نمبر: 4546 3571-42-92+

بزم ہائے طلوع اسلام اور تاجر حضرات کو ان ہدیوں پر تاجرانہ رعایت دی جائے گی۔ ڈاک خرچ اس کے علاوہ ہوگا۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

ملک منظور حسین لیل۔ بھکر
0332-7636560
mhleeladv@yahoo.com

مذہبی پیشوائیت
احبار و رُہبان

(گزشتہ سے پیوستہ)

تھیا کریسی کا ارتقاء:۔ طلوعِ اسلام نومبر ۱۹۸۳ء ص۔۵۳:۔ ''تھیا کریسی کا تصور تو پرانا ہے لیکن اسے بطور نظامِ حکومت، عیسائی کلیسا (چرچ) نے یورپ میں رائج کیا۔ عیسائیت میں حکومت کا تصور تک نہیں۔ نہ ہی (مروّجہ) انجیل میں قوانین دیئے گئے ہیں۔ اس لئے عیسائی پادریوں کی حیثیت مشنریوں (مبلغین) سے زیادہ کچھ نہیں تھی۔

جب بعض بادشاہوں نے عیسائیت قبول کی تو پادریوں کے دل میں بھی جذبہء اقتدار پرستی نے انگڑائی لی۔ انہوں نے بادشاہوں سے سمجھوتا کیا کہ احکام و قوانین کلیسا (چرچ) وضع کرے، لیکن وہ، نافذ حکومت کی طرف سے ہوں۔ اور یہ سارا کاروبار خدا کے نام پر ہو۔ یعنی ان احکام و قوانین کو احکامِ خداوندی کہہ کر پکارا جائے اور انہیں نافذ کرنے والے حکمرانوں کو شریعتِ خداوندی کے محافظ قرار دیا جائے۔ اس سے ایک طرف، مذہبی پیشوائیت کے جذبہء اقتدار کی تسکین کا سامان فراہم ہو گیا اور دوسری طرف، حکمرانوں کو مقبولیتِ عامہ حاصل ہو گئی، کیونکہ عوام مذہب پرست تھے اور مذہب کے محافظ ان کے نزدیک خدائی اختیارات اور الوہیاتی احترام و تقدیس کے حامل۔ (انگلستان کے بادشاہ یا ملکہ کو آج حامیء دین:۔ Defender of the faith کہہ کر پکارا جاتا ہے)۔ مذہب اور حکومت کی اس ملی بھگت کو تھیا کریسی (یعنی حکومتِ خداوندی) سے تعبیر کیا گیا۔ اس نظامِ حکومت میں انسانیت ظلم و استبداد کے جس جہنم میں مبتلا رہی، اس کے تصور تک سے (ہمارا، آپ ہی کا نہیں) ہلاکو اور چنگیز خان تک کا کلیجہ دہل جاتا ہے۔ نوعِ انسان کی تاریخ میں، تھیا کریسی سے بدتر دور کبھی نہیں آیا۔ ہلاکو اور چنگیز خان کے دل میں شاید کبھی کھٹک پیدا ہو جاتی ہو کہ ہم بے گناہوں پر کیوں ظلم کر رہے ہیں۔ لیکن جو ظلم و تشدد خدا کے نام پر برپا کیا جائے اس سے تو ظالم اور مستبد حکمران اطمینان ہی نہیں، فخر محسوس کرتا ہے کہ میں خدائی مشن پورا کر رہا ہوں۔ مختصر الفاظ میں تھیا کریسی سے مراد ہے ایسا نظامِ حکومت جس میں انسانوں کے وضع کردہ احکام و قوانین کو احکامِ

خداوندی کہہ کر نافذ کیا جائے۔ اور ان کی مخالفت کرنے والوں کو مرتد قرار دے کر حوالہء دار و رسن کر دیا جائے۔''

مذہبی پیشوائیت کی اذیت پسندی: ۔طلوعِ اسلام اگست ۱۹۷۴ء۔ص۔۲۱۔''جب زمامِ اختیار اُن لوگوں کے ہاتھ میں آجائے جو خدا کے نام (مذہب) کو اپنی ہوسِ اقتدار کا آلہء کار بنائیں، تو یہ ادوار تاریخِ انسانیت میں سب سے زیادہ وحشت انگیز اور انسانیت کُش ہوتے ہیں۔ اُس وقت ہر گرگِ خون آشام، برّہء معصوم کی کھال اوڑھ کر سامنے آتا ہے اور ہر ابلیس، خدائی فوجدار ہونے کا مدعی ہوتا ہے۔ جبر و قہرمانیت کے اس اندازِ سیاست میں، جسے مذہبی پیشواؤں (Priests) کا گروہ ''حکومتِ الٰہیہ (Theocracy) کے مقدس نام سے لوگوں پر مسلط کرتا ہے، خدا کے نام پر، ہر وہ ظلم و استبداد روا رکھا جاتا ہے جس سے خود ظلم شرمائے اور استبداد کی آنکھوں میں حیا آجائے۔''

طلوعِ اسلام جون ۱۹۷۹ء۔ص۔۴۸:۔''فطرت کا یہ طریق کار (process) بڑا دلچسپ بھی ہے اور عبرت آموز بھی۔ وہ مذہب پرست طبقہ کو اس خود فریبی میں مبتلا کر دیتی ہے کہ اگر قوت ان کے ہاتھ میں آجائے تو ان کی جڑیں مضبوط ہو جائیں گی۔ چنانچہ یہ لوگ حصولِ اقتدار کے لئے بڑی تگ و تاز کرتے ہیں اور اکثر اوقات اسے حاصل بھی کر لیتے ہیں۔ لیکن یہی چیز ان کی موت کے فرشتے کی رفتار کو تیز کر دیتی ہے۔ یہ نکتہ غور سے سمجھنے کے قابل ہے۔

اذیت پسندی کی نفسیات: ۔اقوامِ عالم کی تاریخ اس حقیقت پر شاہد ہے کہ جب کبھی اقتدار ان لوگوں کے ہاتھ میں آیا تو ان سے اس قسم کے اذیت ناک اور کرب انگیز مظالم ظہور میں آئے جن کی مثال کسی ہلاکو اور چنگیز کے ہاں بھی نہیں ملتی۔ (واضح رہے کہ شاذ و نادر ہی ایسا ہوا ہے کہ زمامِ حکومت براہِ راست ان کے ہاتھ میں آئی ہو۔ بالعموم ان کے اقتدار کی شکل یہی ہوتی ہے کہ کوئی حکمران ان کا ہم عقیدہ ہو اور اس طرح بالواسطہ اقتدار ان کے ہاتھ میں آجائے) سیاسی حکمران طبقہ اپنے مخالفین کا، جن سے اسے کسی خطرہ کا اندیشہ ہو، استیصال چاہتا یا کرتا ہے۔ لیکن مذہبی پیشوائیت کا اپنے مخالفین کے خلاف انتقام جوئی کا جذبہ کارفرما ہوتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ یہ، اپنے ہم عقیدہ لوگوں کے سوا، سب کو خدا کے باغی، ملحد، بے دین، فاسق، فاجر سمجھتے ہیں۔ اور اپنے متعلق اس زعمِ باطل میں مبتلا ہوتے ہیں کہ ہم خدا کے منتخب بندے ہیں، جنہیں اس نے ان گمراہ لوگوں کو سیدھا کرنے کے لئے مامور کر رکھا ہے۔ اس بناء پر ان فاسقوں اور فاجروں کے خلاف ان کے دل میں بغض اور نفرت کے شعلے بھڑکتے رہتے ہیں۔ نفسیات کا یہ مسلمہ اصول ہے کہ بغض اور نفرت سے انسان (sadism) کا شکار ہو جاتا ہے۔ (sadism) کے معنے یہ ہوتے ہیں کہ اس کا مریض دوسروں کو اذیت پہنچا کر خوش ہوتا اور لذت لیتا ہے۔ جب اقتدار ان کے ہاتھ میں نہیں ہوتا تو یہ ان لوگوں کو، جو ان کے ہم عقیدہ نہیں ہوتے، عذابِ خداوندی کی وعید سناتے رہتے ہیں۔ آپ نے اکثر دیکھا ہوگا کہ یہ حضرات اپنے وعظوں اور خطبوں میں اس عذاب کی تفاصیل بڑی لذت لے لے کر بیان کرتے ہیں۔ اس سے ان کے (sadism) کے جذبہ کی ذہنی تسکین ہو جاتی ہے۔۔۔ اس کے علاوہ، ان کی انتقام جوئی

کے سلسلے میں ایک اور جذبہ بھی کارفرما ہوتا ہے۔ یہ ہوسکتا ہے کہ کسی بڑے سے بڑے مستبد اور ظالم صاحبِ اقتدار کے ضمیر میں کبھی۔۔۔ خلش پیدا ہو اور وہ اپنے کئے پر نادم ہو جائے۔ لیکن ان حضرات کا عقیدہ یہ ہوتا ہے کہ ہم اپنے مخالفین کے خلاف جو کچھ کرتے ہیں وہ جہاد ہے اور بارگاہِ خداوندی میں تقرب کا موجب۔ اس لئے یہ اپنے مخالفین پر جس قدر بھی مظالم کرتے ہیں، خوش ہوتے ہیں کہ اس سے انہیں ثوابِ عظیم حاصل ہوتا ہے۔۔۔ آپ ان حضرات کی اس نفسیات پر غور کیجئے اور پھر سوچئے کہ جب۔۔ خدانہ کردہ۔۔ اقتدار ان کے ہاتھ میں آجائے تو انسانیت کس عذاب میں مبتلا ہو جائے گی۔ اقوامِ عالم کی تاریخ ان کی خونریزیوں، سفاکیوں، کرب انگیزیوں اور اذیت رسانیوں کی لرزہ انگیز داستانوں سے خونچکاں ہے۔ ان کی تفصیل میں جانے کے لئے مجلدات درکار ہوں گی۔ یہاں چند ایک مثالوں پر اکتفاء کیا جاتا ہے:۔

چند مثالیں:۔ ہم دیکھ چکے ہیں کہ حضرت عیسےٰ کس طرح ہیکل کے مذہبی پیشواؤں کی عفونت آمیز سیاہ کاریوں کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرتے تھے۔ بالواسطہ اقتدار ان کے ہاتھ میں تھا۔ انہوں نے ان پر ہاتھ ڈالا اور (بزعمِ خویش) اس قسم کی موت مارا جو انتہائی اذیت رساں بھی تھی اور ان کے عقیدہ کی رو سے ''لعنتی'' بھی۔ اذیت رسانی کا اندازہ اس سے لگائیے کہ انہوں نے ان کے ہاتھ پاؤں میں میخیں ٹھونک کر صلیب پر لٹکا دیا کہ وہ کرب و اذیت، بھوک، پیاس اور دھوپ کے عذاب سے سسک سسک کر جان دیں۔ اس سے ان کی ہوسِ انتقام جوئی کا اندازہ ہوسکتا ہے۔۔۔ یہودیوں سے آگے بڑھ کر عیسائیوں کی طرف آئیے اور ان کے (Reformation) کے زمانے کی تاریخ پر ایک نگاہ ڈالیئے۔ اس میں آپ کو ظلم اور استبداد کی ایسی ایسی لرزہ انگیز داستانیں ملیں گی، جن سے آپ کی روح کپکپا اٹھے۔ صرف ایک شہر پیرس میں چھ مہینے کے عرصے میں دس ہزار انسانوں کو جلایا گیا یا تڑپا تڑپا کر مارا گیا۔ ۱۵۸۱ء سے دو ایک سال پہلے کے عرصہ میں جن لوگوں کو مختلف اذیتیں دے دے کر ہلاک کیا گیا یا زندہ جلایا گیا ان کی تعداد دو لاکھ سے کم نہیں (The Cambridge Modern History-Vol-2-P/347)۔ اذیتیں کس قسم کی ہوتی تھیں، اس کا اندازہ اس ایک واقعہ سے لگائیے کہ ہنری نامی ایک ممتاز پادری کو، جس کے خلاف ''کفر کا فتویٰ'' لگا تھا، اس کے بستر سے اٹھایا گیا۔ پشت کی جانب اس کے ہاتھ باندھے گئے۔ اس کے سارے کپڑے اتار دیئے گئے اور اس کے پاؤں میں رسی باندھ کر اسے برف آلودہ سڑکوں پر گھسیٹتے ہوئے مقتل کی طرف لے گئے۔ وہ لہولہان ہو رہا تھا اور چیختا تھا کہ مجھے مارنا ہی ہے تو کم از کم مجھے مقتل تک اٹھا کر لے جاؤ لیکن اس کی کوئی نہیں سنتا تھا۔ اسے زندہ جلانا مقصود تھا لیکن لکڑیاں گیلی تھیں اس لئے ان میں آگ نہیں لگ رہی تھی۔ دو گھنٹے کے انتظار کے بعد اسے جھلستی ہوئی لکڑیوں میں پھینک دیا گیا تاکہ وہ سسک سسک کر کباب ہو جائے۔ بالآخر اسے لاٹھیوں سے پیٹ پیٹ کر ہلاک کیا گیا اور ان خدائی فوجداروں نے نعرہ بلند کیا کہ ''خدائے مسیح کا بول بالا ہو''

(History of the Reformation by Daubigne-Vol-3-P/53)۔

ہماری اپنی تاریخ:۔ خود ہماری تاریخ بھی کچھ کم خونچکاں اور لرزہ انگیز نہیں۔ عباسیوں کے زمانے میں ایک مسئلہ خلقِ قرآن کو لیجئے۔ اور پھر دیکھیئے کہ اس عقیدہ کے موافق اور مخالف گروہوں نے اپنی اپنی باری مخالفین کو کس کس قسم کے کرب انگیز مظالم کا نشانہ بنایا۔ جعد بن درہم کو خالد بن عبداللہ نے عیدالاضحےٰ کے دن قربانی کے طور پر اپنے ہاتھ سے ذبح کیا اور اس کے بعد اسی خالد کو اس کے مخالف، یوسف نے شکنجہ میں کس کر اس کے سینے کو ریتی سے ریت ڈالا۔ خلیفہ واثق نے احمد بن نصر کو سامرہ میں سولی پر چڑھا دیا اور اس کے سر کو بغداد بھیج دیا۔ کان میں ایک رقعہ لٹکا دیا جس پر لکھا تھا:۔ یہ احمد بن نصر مشرک اور گمراہ کا سر ہے جس کو امیر المومنین نے بغرضِ تقربِ الٰہی خود اپنے ہاتھ سے قتل کیا ہے۔۔ امام احمد بن حنبلؒ جیسی واجب الاحترام ہستی کو اٹھارہ ماہ تک ایک تنگ و تاریک قید خانہ میں سختیاں جھیلنے کے لئے محبوس رکھا۔ وہاں انہیں اس شدت سے پیٹا جاتا تھا کہ ان کے جسم کے گوشت کے ٹکڑے اڑ اڑ جاتے تھے۔ یہ سب کس جرم کی پاداش میں تھا؟۔ اس جرم کی پاداش میں کہ وہ ان علماء سے (جن کا ہم خیال خلیفہ تھا) ایک عقیدہ میں اختلاف رکھتے تھے۔ اور وہ عقیدہ بھی محض نظری اور فرعی تھا۔۔ ان شخصی اذیت رسانیوں کے علاوہ ان مذہبی پیشواؤں کی کیفیت یہ تھی کہ انہیں جن علماء سے بھی اختلاف ہوتا ان کی تصنیفات کے ایک ایک ورق کو تلاش کر کے تلف کر دیا جاتا۔ مثلاً ابو مسلم اصفہانی نے تیرہ جلدوں میں قرآن مجید کی تفسیر لکھی۔ ابوالقاسم بلخی نے بارہ جلدوں میں تفسیر مرتب کی۔ اسی طرح ابوبکر اصم اور قفال نے بھی بڑی بڑی ضخیم تفسیریں لکھیں۔ یہ لوگ بڑے ذی علم اور ذہین تھے۔ ان کی تفسیریں قرآنی علوم میں نہایت قیمتی اضافہ تھیں۔ مگر آج یہ سب ناپید ہیں۔ ان کے صرف بعض اقوال امام رازی وغیرہ کی تفسیروں میں بکھرے ہوئے ملتے ہیں۔ خود امام رازی کو بھی دار و گیر کا سامنا کرنا پڑا اور انہوں نے روپوش ہو کر اپنی جان بچائی۔ امام ابن حزم کو بھی جلاوطن ہونا پڑا اور وہ اسی حالت میں صحرائے لیلہ میں وفات پا گئے۔ علامہ آمدی کو بھی علماء سے بعض اختلافات کی وجہ سے اپنا وطن چھوڑنا پڑا۔ ابن رشد کو فلسفہ کے جرم میں پہلے نظر بند کیا گیا۔ پھر جلاوطن، اور ان کی کتابیں جلا دی گئیں۔ محدث ابن حبان کو اتنی سی بات پر جلاوطن کر دیا گیا کہ انہوں نے کہا تھا کہ ''خدا محدود نہیں ہے، ہر جگہ موجود ہے۔'' میں نے یہ چند واقعات محض مثال کے طور پر بیان کئے ہیں، ورنہ دیگر مذاہبِ عالم کی طرح، ہماری تاریخ بھی اسی قسم کے واقعات سے لالہ زار ہے۔ جس سے کسی مسئلہ میں ذرا سا اختلاف ہوا، اس کے خلاف کفر کا فتویٰ لگایا۔ اس سے وہ مرتد قرار پا گیا۔ یہ مسلّمہ پہلے سے وضع کر دیا کہ مرتد کی سزا قتل ہے۔ اور اس فیصلہ کی رو سے ''بحکمِ شریعت'' حوالہء دار و رسن کر دیا۔ جب حالات نے پلٹا کھایا اور کوئی ایسا حکمران برسرِ اقتدار آ گیا جو ان لوگوں کا ہم عقیدہ تھا جن کے خلاف کفر کے فتوے لگے تھے تو پھر ان کی باری آ گئی۔ جنہوں نے ایسے فتوے لگائے تھے۔ پھر یہ مرتد قرار پا گئے اور ہلاک کر دیئے گئے۔ اس ہزار سال کے عرصہ میں کوئی بھی شخص ایسا نہیں جس کے خلاف بالواسطہ یا بلا واسطہ کفر کا فتویٰ نہ لگ چکا ہو۔ اسے اس طرح سمجھ لیجیئے کہ ہمارے زمانے میں موجودہ فرقوں میں سے کوئی فرقہ ایسا نہیں جس کے خلاف کفر کا فتویٰ نہ لگ چکا ہو۔ اور چونکہ ہر مسلمان کسی نہ کسی فرقہ سے متعلق ہوتا ہے اس لئے کوئی مسلمان بھی ایسا نہیں جو کافر نہ قرار پا چکا ہو۔ یہ تو غنیمت ہے کہ یہ فتوے اس زمانے میں لگے جب اقتدار مذہبی پیشوائیت کے ہاتھ میں نہ تھا۔ ورنہ اگر ان حضرات

کے فتووں پر عمل درآمد کرنے والا حکمران طبقہ ہوتا تو ہندو پاکستان میں کوئی ایک مسلمان بھی زندہ نہ رہتا۔ یہ تو رہے وہ مسلمان جو کسی نہ کسی فرقہ سے وابستہ ہیں۔ انہوں نے علامہ اقبالؒ اور قائد اعظمؒ کو بھی نہ چھوڑا۔ ان کے خلاف بھی کفر کے فتوے صادر کر دیئے گئے۔ لیکن وہ بھی اس لئے زندہ بچ رہے کہ مرتد کی سزا قتل پر عمل درآمد کرنے والی حکومت موجود نہ تھی۔ نہ ہی اقتدار براہِ راست ان حضرات کے ہاتھ میں تھا۔ جب اقتدار مذہبی پیشوائیت کے ہاتھ میں آتا ہے تو اس میں انسانیت پر کیا قیامت گزرتی ہے اس کی تازہ مثال انقلابِ ایران ہے۔ اس انقلاب میں زمامِ اقتدار وہاں کی مذہبی پیشوائیت کی سب سے بلند شخصیت امام الخمینی کے ہاتھ میں ہے۔ ان کے زیر ہدایت ایک خفیہ اسلامی عدالت قائم ہے جس کے ناموں تک کا کسی کو علم نہیں۔ اس عدالت میں ان کے مخالفین کے خلاف مقدمات پیش ہوتے ہیں۔ چند گھنٹوں میں ان کی سماعت ہو جاتی ہے۔ سزائے موت کا فیصلہ صادر کر دیا جاتا ہے۔ اور ان مخالفین کو گولی سے اڑا دیا جاتا ہے۔ آج (۹۔مئی ۱۹۷۹ء) تک اس طرح سزائے موت پانے والوں کی تعداد ۲۳۸ تک پہنچ گئی ہے۔ ان میں سابقہ حکومت کے وزیر اعظم، وزرائے مملکت، بڑے بڑے جرنیل، فوجی افسر، قومی اسمبلی کے سپیکر، پولیس کے آفیسرز وغیرہ شامل ہیں۔ اخبارات میں شائع ہونے والی خبروں کے مطابق:۔ ان اکیس افراد پر (جنہیں ۸۔مئی کو گولی سے اڑا دیا گیا) ایک الزام یہ بھی تھا کہ انہوں نے ایران کے مذہبی راہنما آقائے آیت اللہ الخمینی کے بارے میں توہین آمیز الفاظ استعمال کئے۔ یہ الفاظ اس وقت استعمال کئے گئے تھے جب آقائے خمینی پیرس میں جلاوطنی کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ (نوائے وقت ۹۔مئی ۱۹۷۹ء)۔ امام الخمینی اسے ''اسلامی انقلاب'' سے تعبیر کرتے ہیں جس کے تحفظ کے لئے انہوں نے فوج اور پولیس کے علاوہ خصوصی فوجی دستوں کی تشکیل کی ہے۔ انہوں نے کہا کہ وہ ''اس انقلاب کو دوسرے ممالک میں بھی برآمد کریں گے۔'' (ایضاً)۔

تھیا کریسی اور سیکولرازم:۔ طلوعِ اسلام۔ نومبر ۱۹۸۳ء۔ ص۔۵۳:۔ ''ان مظالم کی بناء پر تھیا کریسی کے خلاف جو ردِعمل ہوا اسے سیکولرازم سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اس نظام کے حامیوں نے کہا کہ مذہب کو مملکت اور حکومت سے کوئی واسطہ نہیں۔ مذہب کا دائرہ، گرجا کی چاردیواری تک محدود ہے۔ مملکت کے معاملات، قوم کی منشاء کے مطابق، کسی قسم کی حدود و قیود کے بغیر، آزادانہ طے پائیں گے۔ انہوں نے مذہب کے لبادہ کے ساتھ، اخلاقی اقدار و اصول کی ''صدری'' کو بھی اتار کر دور پھینک دیا۔ یہ ہے سیکولر نظامِ حکومت، جس میں قانون سازی کے کلی اختیارات، کسی قسم کی حدود و شرائط کے بغیر، قوم (انسانوں) کو حاصل ہوتے ہیں۔ اس وقت یہ نظامِ حکومت (کم و بیش) ساری دنیا میں رائج ہے۔ (اور ساری دنیا اس کے ہاتھوں نالاں بھی ہے)۔''

نوٹ:۔ یہ ردِعمل (یعنی مذہبی پیشواؤں کی حکومت کے مقابلے میں سیکولر نظامِ حکومت) اُس وقت کی تھیا کریسی کے خلاف تھا۔ لیکن (آج) مذہبی پیشوا تو خود ہی عملاً سیکولر ہیں۔ انہوں نے دین کو سیاست سے جدا کر رکھا ہے، اور سیاسی حکومت کے مقابلے میں اپنی متوازی (مذہبی) حکومت قائم کر رکھی ہے۔ کوئی سیاسی حکومت یا کوئی سیاست دان ان کی (مذہبی) حکومت میں مداخلت نہیں کر

سکتا۔ یہی تو سیکولرازم ہے۔ اور انہیں یہی کچھ تو چاہیئے، انہیں اور کیا چاہیئے؟ (مؤلف)۔

☆.....☆.....☆

تفویضِ اختیارات (چرچ) کا عقیدہ:۔ طلوعِ اسلام اکتوبر ۱۹۷۶ء کے صفحہ نمبر ۶ پر سابق وزیراعظم پاکستان مسٹر ذوالفقار علی بھٹو کی ایک تقریر، جو کہ روزنامہ نوائے وقت لاہور مورخہ ۹ ستمبر ۱۹۷۶ء میں رپورٹ ہوئی تھی، اور جس میں کہا گیا تھا کہ خدائی اختیارات کی تفویض عوام کو، اور عوام سے مقنّنہ کو ہوئی، فلہٰذا، اصل حاکمیت مقنّنہ کی ہے، پر تبصرہ کیا گیا کہ:۔

''محترم وزیراعظم نے اس تقریر میں جو بنیادی نکتہ پیش کیا ہے، ہمیں افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ، وہ ایک غلط فہمی پر مبنی ہے، جس کا ازالہ ہم ضروری سمجھتے ہیں کیونکہ وہ قرآن کریم کی بنیادی تعلیم اور خدا تعالیٰ کے حقیقی تصور کے خلاف ہے اور اس کے نتائج بہت دور رس ہیں۔ قرآن کریم کی رو سے، اللہ تعالیٰ اپنے اختیارات کسی کو تفویض (Delegate) نہیں کرتا۔ حتیٰ کہ رسولوں کو بھی نہیں۔ رسول بھی اس کے ''عبد'' ہوتے تھے۔ یعنی احکامِ خداوندی کے مطیع اور محکوم۔ جو اتھارٹی اپنے کسی اختیار کو، کسی دوسرے کو تفویض کر دیتی ہے، وہ اُس وقت تک، جب تک وہ اس تفویض کردہ اختیار کو واپس نہ لے لے، اس اختیار سے عاری رہتی ہے۔ خدا کے متعلق یہ عقیدہ کہ وہ اپنے اختیارات کو انسانوں (عوام) کو سونپ کر، خود ان اختیارات سے (وقتی طور پر ہی سہی) عاری اور محروم ہو چکا ہے، باطل ہے۔ قرآن کریم نے کہیں ایسا نہیں کہا۔ اس نے تمام انسانوں کو خدا کے احکام کی اطاعت کا حکم دیا ہے۔ تفویض (Delegation) کا عقیدہ درحقیقت کلیسا (Church) کا وضع کردہ ہے جس کی رو سے اس نے اپنے آپ کو خدائی اختیارات کا حامل قرار دے دیا۔ اس سے ''تھیاکریسی'' کی بنیاد پڑی اور اربابِ کلیسا نے، خدا کے نام پر، انسانوں کے ساتھ وہ کچھ کیا جس کے تصور سے روح کانپ اٹھتی ہے۔ ''تھیاکریسی''، کسی مذہب کی بھی کیوں نہ ہو، اس کا نتیجہ بے پناہ مظالم ہوتے ہیں۔ ''چرچ'' کے بعد جب اقتدار، عیسائی بادشاہوں نے سنبھالا، تو انہوں نے، تھیاکریسی میں ذرا سی تبدیلی کر کے، بادشاہوں کے حقوقِ خداوندی (Divine Rights of the King) کا عقیدہ وضع کر لیا۔ یہ جو (گویا) مسلّمہ کی حیثیت سے کہا جاتا ہے کہ ''بادشاہ کوئی غلطی نہیں کر سکتا'' وہ اسی عقیدہ پر متفرع ہے۔ ملوکیت مسلمانوں کے ہاں آئی تو اسی باطل تصور نے ''السلطان ظل اللہ علی الارض'' (بادشاہ زمین پر خدا کا سایہ ہوتا ہے) کا روپ دھار لیا۔ اب اُمت بے چاری دہرے عذاب میں مبتلا ہو گئی۔ دنیاوی امور میں بادشاہ، خدائی اختیارات کا حامل، اور مذہبی امور میں مذہبی پیشوا۔ اس کی سند میں یہ کہا گیا کہ خدا نے انسان کو اپنا خلیفہ بنایا ہے، اور انسانوں سے مراد ہیں اس کے منتخب بندے۔ سلاطین اور علماء۔ حالانکہ خدا نے کہیں یہ نہیں کہا کہ اُس نے انسان کو اپنا خلیفہ بنایا ہے۔ یہ ہیں وہ نتائج جو ''تفویض'' کے تصور کا منطقی نتیجہ ہے۔ قرآن کریم کی رو سے صحیح پوزیشن یہ ہے کہ خدا نے انسان کو صاحبِ اختیار و ارادہ پیدا کیا ہے۔ سوال سارا انسان کا اپنے ان اختیارات کے استعمال کا ہے۔ خدا سے انکار کرنے والے، ان اختیارات کو اپنی مرضی کے

مطابق استعمال کرتے ہیں۔ اسے سیکولرازم کہا جاتا ہے جس کی عملی شکل مغرب کا نظامِ جمہوریت ہے۔

پارلیمنٹ کی برتری کا غلط نظریہ:۔ اس نظام میں، عوام کے نمائندوں پر مشتمل پارلیمنٹ (مقنّنہ) جس قسم کے جی چاہے آئین اور قوانین بنا سکتی ہے۔ اس پر اس ضمن میں کسی قسم کا کنٹرول یا پابندی نہیں ہوتی۔ وہ اختیاراتِ مطلق کی حامل (Sovereign) ہوتی ہے۔ لیکن خدا پر ایمان رکھنے والے، اپنے اختیارات کو بلا حدود و قیود استعمال نہیں کر سکتے۔ انہیں ان اختیارات کو، خدا کی متعین کردہ حدود کے اندر رہتے ہوئے، استعمال کرنا ہوتا ہے۔ (یہ حدود خدا کی کتاب میں درج ہیں اور ابدی اور غیر متبدل ہیں) اسے اسلامی نظامِ مملکت کہا جاتا ہے۔ اس سے واضح ہے کہ اسلامی مملکت میں، مقنّنہ کے قانون سازی کے اختیارات، مطلق (Absolute) یا غیر محدود نہیں ہوتے۔ ان پر حدود اللہ کا کنٹرول ہوتا ہے۔ یہ ہے وہ بنیادی خصوصیت جس کی رو سے، اسلامی جمہوریت، مغربی جمہوریت یا سیکولرازم سے متمیز اور مختلف ہوتی ہے۔ یوں انسانی دنیا میں، خدا کی حاکمیت یا (Sovereignty) قائم و دائم رہتی ہے۔ خارجی کائنات میں اس کی حاکمیت از خود قائم رہتی ہے، کیونکہ اشیائے کائنات کو صاحبِ اختیار و ارادہ پیدا نہیں کیا گیا۔ وہ قوانینِ خداوندی کی اطاعت (یا یوں کہیئے کہ حدود اللہ کے اندر زندگی بسر کرنے) پر مجبور ہوتی ہیں۔ لیکن انسانی دنیا میں، انسان، اُس کی (خدا کی) حاکمیت کو اپنے اوپر خود عائد کرتا ہے۔ (یعنی خود اپنے فیصلے سے، حدود اللہ کے اندر رہتے ہوئے اپنے اختیارات کو استعمال کرتا ہے)۔ یہی کفر و اسلام میں امتیازی نقطہ ہے۔: **وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ** (5:44) ''جو خدا کی کتاب کے مطابق حکومت قائم نہیں کرتے، انہیں کافر کہا جاتا ہے۔''

آئینِ پاکستان (۱۹۷۳ء) میں یہی پوزیشن اختیار کی گئی ہے۔ اس کے پیش لفظ کا پہلا فقرہ یہ ہے۔ ''جملہ کائنات پر اقتدارِ مطلق خدا کا ہے۔ اور باشندگانِ پاکستان جو اختیارات اس کی متعین کردہ حدود کے اندر رہتے ہوئے استعمال کریں گے، وہ ایک مقدس امانت ہوگی۔'' آپ دیکھئے! اس میں ''خدا کے تفویض کردہ اختیارات'' نہیں کہا گیا۔ وہ اختیارات کہا گیا ہے، جنہیں باشندگانِ پاکستان خدا کی مقرر کردہ حدود کے اندر رہتے ہوئے استعمال کریں گے۔ (شروع میں جب قراردادِ مقاصد کا مسودہ زیر بحث تھا تو اس میں تفویض کا تصور رکھا گیا تھا۔ طلوعِ اسلام نے اس کے خلاف تفصیلی بحث کی، اور اس کی جگہ حدود اللہ کی پابندی، جزوِ آئین قرار دی گئی)''

نوٹ:۔ (اس اقتباس کو ''نظریہء اسلامی مملکت'' کے تحت پڑھا جانا چاہیئے۔ یہاں اس کے پیش کرنے کا مقصد یہ واضح کرنا ہے کہ اسلام کے مطابق، خدا اپنے اختیارات کسی کو تفویض نہیں کرتا۔ مذہبی پیشوائیت، بزعمِ خویش، خود کو دین کا ٹھیکیدار سمجھتی ہے اور یہی سمجھتی ہے کہ خدا نے دین کا کام صرف اُسی کو تفویض کر رکھا ہے۔ حالانکہ تدبر فی القرآن اور قرآنِ کریم پر عمل کا حکم ہر انسان کے لئے ہے۔ یہاں یہ واضح کرنا بھی مقصود تھا کہ امتِ مسلمہ کی مقنّنہ کے قانون سازی کے اختیارات محدود بحدود اللہ ہیں اور پارلیمنٹ برتر نہیں، قرآن برتر ہے۔ مؤلف)۔ (جاری ہے)

☆.....☆.....☆

راجہ عبدالعزیز (دھیرکوٹ آزاد کشمیر)

پہلی قسط

تخلیق کی نور افشانی

Glow of Creation

قرآن پاک میں ہر قسم کی روشنی کے لئے نور یا ضیاء کے الفاظ آئے ہیں۔ زمخشری کے مطابق ضیاء میں نور سے زیادہ زور اور شدت پائی جاتی ہے' اس لئے بعض ماہرینِ لغت کا کہنا ہے کہ ضیاء ذاتی روشنی اور نور مستعار روشنی کے لئے مستعمل ہے۔ لیکن نور اس شے کو بھی کہا گیا ہے جو خود بھی روشن ہو اور دوسری اشیاء کو بھی روشن کرے تاکہ ان کا درست مقام متعین کیا جا سکے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنی وحی کو نور سے تشبیہہ دی ہے 24:35 جس کی روشنی سے ہر چیز کا مقام واضح ہو جاتا ہے۔ اسی وحی پر مبنی کتابوں کو بھی نور کہا گیا ہے۔ خود قرآن پاک نور ہے 5:15۔ توریت کو بھی نور کہا گیا ہے 5:44 اور انجیل کو بھی 5:46۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو سراجاً منیرا کہا گیا ہے 33:46۔ سراج کے بنیادی معنی حسن' زینت اور جمال کے ہیں اور منیر بھی خوش رنگ اور روشن چیز یا آدمی کو کہا جاتا ہے۔ چمکتے ہوئے چراغ کو بھی خوبصورتی کی وجہ سے سراج کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آیۂ نور 25:35 میں اپنے نور یعنی وحی کی مثال میں چراغ (مصباح) کا بڑے خوبصورت انداز میں ذکر کیا ہے۔ فرمایا ''یہ روشنی تمہیں ہی نہیں دی گئی' یہ کائنات کی بلندیوں اور پستیوں میں ہر جگہ پھیلی ہوئی ہے۔ خدا کی اِس مشعل ہدایت (وحی) کی مثال یوں سمجھو جیسے کسی طاق میں ایک جگمگایا چراغ ہو۔ ایسی ٹھنڈی اور صاف روشنی دینے والا چراغ' جیسے ستارۂ صبح گاہی فضا کی تاریکیوں میں نور پاش ہو۔ اور اس چراغ کو ایک صاف و شفاف شیشے کے فانوس (زجاجہ) میں رکھ دیا گیا ہو' تاکہ وہ تمام خارجی اثرات سے محفوظ رہے 41:42۔ خود فانوس بھی ایسا درخشندہ گویا وہ چمکتا تارہ ہے جس سے نور کی ندیاں رواں ہیں۔ وہ چراغ ایک ایسے بابرکت شجرِ زیتون (کے تیل) سے روشن ہو جو مشرق اور مغرب کی نسبتوں سے بلند تمام نوع انسان کے لئے یکساں ہو۔ ایسا تیل جو اس کا محتاج نہ ہو کہ کوئی خارجی روشنی اسے جلائے۔ وہ اپنے آپ روشن ہو اور دوسروں کو بھی روشنی دے (وہ اپنے معانی اور تفسیر کے لئے خارجی امداد کا محتاج نہ ہو) وہ چراغ نہیں' روشنی کی تہیں ہیں جو ایک کے اوپر دوسری' تو بہ تو چڑھی ہوئی ہیں وہ سارے کا سارا نور ہے۔ نور مجسم' اس میں روشنی ہی روشنی ہے۔ (نور علی نور) اس آیت میں اللہ نے اپنے نور (ہدایت اور راہنمائی) کی مثال دی ہے۔ اپنی ذات کی مثال نہیں دی جیسا کہ عام طور پر سمجھا جاتا ہے۔ اللہ کی ذات کی مثال تو دی ہی نہیں جا سکتی 42:11۔ یہ خدا کا وہ نور (وحی) ہے جس کی طرف وہ ہر اس شخص کی راہنمائی کرتا ہے جو اس سے راہنمائی لینا چاہے 24:35۔ نور خداوندی بڑا جامع لفظ

ہے اس کی جامعیت سے مراد ہے کہ کائنات میں جہاں بھی روشنی ہے وہ خدا کی عطا کردہ ہے۔ کائنات کی تمام روشنیوں کا سرچشمہ اللہ کی ذات ہے۔ اس میں عقل کی روشنی بھی ہے، علم کی روشنی، کائنات میں پھیلی ہوئی طبیعی روشنیاں اور وحی کی روشنی سب اس میں شامل ہیں۔ اسی لئے حکم دیا گیا ہے کہ اللہ پر، اس کے رسولؐ پر اور اللہ کی طرف سے نازل شدہ نور پر ایمان لاؤ 64:8۔ مگر منکرین چاہتے ہیں کہ اللہ کے اس نور کو پھونکوں سے بجھا دیں جو ناممکن ہے 9:32۔

مومنین کا ولی اللہ تعالیٰ ہے جو انہیں ظلمات سے نکال کر نور کی طرف لاتا ہے۔ اور منکرین کے اولیاء طاغوت (شیاطین) ہیں جو انہیں نور سے نکال کر تاریکیوں کی طرف لے جاتے ہیں 2:257۔ اللہ تعالیٰ مومنین کو تاریکیوں سے روشنی کی طرف کس طرح لاتے ہیں؟ اس بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ ''یہ ضابطہ قوانین (قرآن) ہم نے تیری طرف اس لئے نازل کیا ہے کہ تو اس کے ذریعے نوع انسان کو تاریکیوں سے نکال کر روشنی کی طرف لے آئے 14:1۔ اللہ کے نازل کردہ اسی نور کی روشنی میں تشکیل شدہ نظام میں یہ زمین جگمگا اٹھے گی 39:69۔ حضرت موسیٰؑ کو اللہ نے اپنی آیات کے ساتھ بھیجا تا کہ وہ بنی اسرائیل کو تاریکیوں سے نکال کر روشنی میں لے کر آئیں 14:6۔ اس مقصد کے لئے حضرت موسیٰؑ نے فرعون سے ٹکر لی اور عملی طور پر بنی اسرائیل کو فرعون کی غلامی (تاریکیوں) سے رہائی دلا کر صحرائے سینا کی آزاد فضاؤں (روشنی) میں لائے۔ یہ صرف زبانی طور پر پڑھنے پڑھانے کی کاروائی نہیں ہوتی بلکہ عملی طور پر جدوجہد کرنی پڑتی ہے۔ جیسے یہ حقیقت تو سب کو معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ نبی اکرمؐ پر درود بھیجتے ہیں اور اس کے فرشتے بھی 33:56۔ اور ہم 'درود' پڑھ کر مطمئن ہو جاتے ہیں کہ ہم نے اللہ کے حکم کی تعمیل کر دی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ حقیقت بہت کم لوگوں کو معلوم ہے کہ اللہ اور اس کے فرشتے نبی پاکؐ کی طرح مومنین پر بھی 'درود' بھیجتے ہیں تا کہ اللہ تعالیٰ مومنوں کو اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لے آئے 33:43۔ نبی کریمؐ کی بعثت کا ایک مقصد یہ بھی بتایا گیا ہے کہ وہ ان بوجھوں کو اتار دیں گے جن کے نیچے انسانیت کچلی جا رہی تھی اور ان زنجیروں کو توڑ ڈالیں گے جن میں نوع انسانی جکڑی ہوئی تھی 7:157۔ یعنی آپؐ نوعِ انسانی کو جسم، قلب اور دماغ کی ہر قسم کی غلامی سے آزاد کر کے انہیں صرف قوانین خداوندی کی اطاعت پر لے آئیں۔ جس قدر یہ بلند مقصد تھا۔ اسی قدر اس مقصد کے حصول کے لئے سخت جدوجہد کی ضرورت تھی۔ حضور نبی پاکؐ نے بڑے حسین اور کامیاب طریق سے اس مقصد کو پورا کیا۔ اس کے بعد دنیا اس طریق کو اختیار کر کے بتدریج ان اغلال وسلاسل سے چھٹکارا حاصل کر رہی ہے، لیکن خود مسلمانوں نے غلامی کی ان زنجیروں کو انتہائی تعظیم سے اپنے گلے کا ہار بنایا ہوا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کی گئی یہ روشنی مومنوں کے اندر ایک نفسیاتی تبدیلی پیدا کر دیتی ہے جس کی وجہ سے ان میں یقین وایمان کی پختگی، خود اعتمادی اور رجائیت پسندی کے رجحانات پیدا ہو جاتے ہیں۔ ہجرت کے وقت مسلمان ہر طرف سے تاریک مایوسیوں اور ظلمت انگیز ناامیدیوں کے ہجوم میں گھرے ہوئے تھے۔ لیکن اللہ کی یہ روشنی برسرعام ایک اعلان کر رہی تھی، ''دور افق کے

اس پار ایک بے صورت آواز تھی جو اپنے دلکش لاہوتی انداز میں اس بے سروسامان، عاجز اور درماندہ جماعت کے کانوں تک یہ نغمہ جاں فزا اور مژدۂ روح افزا پہنچا رہی تھی کہ ''(اے پیروانِ دعوتِ ایمانی) نہ تو ہمت ہارو، نہ غمگین ہو تم ہی سب سے برتر و اعلیٰ ہو گے اگر تم مومن رہے 3:138 گھبرانے اور دل چھوڑنے کی کوئی بات نہیں۔ یہ مظلومی اور یہ بے کسی، یہ درماندگی اور لاچاری، یہ ضعف و ناتوانی، یہ ہجوم نوائب و انبوہ مصائب، یہ تمام نوازل و زلازل، یہ ناامیدیاں اور مایوسیاں، یہ سب وقتی اور عارضی ہیں۔ انجام کار تمام کامیابیاں اور کامرانیاں، ہر قسم کی تازگیاں اور شادابیاں، قوت و غلبہ، شان و شوکت، جاہ و جلال، شرفِ انسانیت کے تمام مناصب و مراتب تمہارے حصے میں آئیں گے۔ تمام تاریکیاں کافور ہو جائیں گی۔ ظلمتوں کے بادل چھٹ جائیں گے۔

آسماں ہو گا سحر کے نور سے آئینہ پوش
اور ظلمت رات کی سیماب پا ہو جائے گی
شب گریزاں ہو گی آخر جلوۂ خورشید سے
یہ چمن معمور ہو گا نغمہ توحید سے

(معراج انسانیت)

اس قوت و غلبہ اور کامرانیوں اور کامیابیوں کا احوال مختصر الفاظ میں ایک غیر مسلم کی زبان سے بھی سن لیں۔ بیسویں صدی کے ایک مشہور و معروف مورخ، محقق اور فلسفی وِل ڈیورانٹ نے اپنی ایک کتاب 'ہیروز آف ہسٹری' میں عرب میں انقلاب' کے عنوان کے تحت اہل عرب اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا تفصیلی تذکرہ کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں۔ ''سن 565ء میں ایک عظیم سلطنت (بازنطینی) کا شہنشاہ جسٹینین؟ فوت ہوا۔ پانچ برس بعد تین چوتھائی صحرا پر مشتمل ایک ملک کے غریب گھرانے میں حضرت محمدؐ کی پیدائش ہوئی۔ اس ملک میں خانہ بدوش قبائل کی چھدری آبادیاں قائم تھیں۔ جن کی مجموعی دولت سینٹ صوفیا کی قربان گاہ کی تزئین و آرائش کے لئے بھی کافی ثابت نہ ہوتی۔ اُن برسوں میں کوئی شخص تصور بھی نہیں کر سکتا تھا کہ ایک صدی کے اندر اندر یہ خانہ بدوش بازنطینی ایشیا۔ سارا فارس اور مصر، زیادہ تر شمالی افریقہ فتح کر لیں گے۔ اور پھر سپین کی طرف بڑھیں گے۔ جزیرہ نما عرب کا ایک دم فتوحات شروع کرنا اور بحیرۂ روم کی آدھی دنیا کا مذہب تبدیل کر دینا قرون وسطیٰ کی تاریخ میں ایک غیر معمولی نوعیت کا وقعہ ہے''۔ مایوسیوں اور ناتوانائیوں میں گھرے ہوئے بے بس و بیکس مومنین سے اللہ پاک نے جو کامیابیوں اور کامرانیوں کا وعدہ کیا تھا 3:138، صرف آٹھ سال کے بعد فتح مکہ کی صورت میں اللہ تعالیٰ نے وہ وعدہ پورا کر لیا۔ بے شک اللہ نہ اپنے وعدے کی خلاف ورزی کرتا ہے 2:80 اور نہ ہی اپنے قوانین توڑتا ہے 17:78 اسٹفن ہاکنگ کا کہنا یہاں تک تو درست ہے کہ

"God does not interfere in to universe to break his laws."

لیکن ان کا یہ کہنا میرے خیال میں درست نہیں کہ اللہ تعالیٰ (سریانی نظریے کے مطابق) کا کائنات سے عملی تعلق ہے ہی نہیں۔

قرآن پاک کا بنیادی مقصد نوع انسانی کی ہدایت اور راہنمائی ہے۔ قرآن کا مخاطب انسان ہے۔ انسان کو اللہ تعالیٰ نے اس عالم محسوسات کی جملہ موجودات کی کیفیات، ماہیت، خواص وجواہر کا علم حاصل کرنے کی صلاحیت بخشی ہوئی ہے۔ مگر انسان اپنے حواس وعقل سے عالم خلق سے آگے کے معاملات کا علم حاصل نہیں کرسکتا۔ اس علم کے حصول کے لئے انسان کو ایک دوسرے علم یعنی علم بالوحی کی احتیاج ہوتی ہے۔ کیونکہ علم بالوحی کا خاصہ ہی یہ ہے کہ یہ انسان کی راہنمائی ان امور میں کرتی ہے، جن کا علم انسان اپنے حواس یا استعداد سے حاصل نہیں کرسکتا۔ وحی کے علم کا مقصد انسان کو اس علم کی تفصیلات سکھانے کا ہے ہی نہیں جو وہ اپنے حواس وعقل سے حاصل کرسکتا ہے۔ چنانچہ اصول یہ ٹھہرا کہ انسانی اکتسابی علم (Acguired Knowledge) علم بالوحی (Revealed Knowledge) کی جگہ نہیں لے سکتا اور علم بالوحی انسان کو اکتسابی علم کی ضرورت سے بے نیاز نہیں کرتا۔ البتہ علم بالوحی نے انسان کی راہنمائی کے لئے سیاسی، معاشی، معاشرتی وغیرہ امور میں کچھ اصول دیئے ہیں اور کائنات، اس کی تخلیق اور اس کے دیگر مظاہر کے متعلق کثرت سے اشارات وتصورات دیئے ہیں۔ ان اصولوں اور اشارات کی تفاصیل کا علم انسان اپنی صلاحیتوں کی نمو سے بتدریج حاصل کرتا رہے گا انسان اگر قرآن میں دیئے گئے ان اصولوں اور تصورات کو معیار بنا کر اپنی تحقیق وتفتیش کرے تو بہت جلد درست نتائج تک پہنچ جاتا ہے اور ان کو معیار نہ بھی بنائے پھر بھی یہ حقائق غیر مرئی اور غیر محسوس انداز میں انسانی معاشرے پر اثر انداز ہوتے رہتے ہیں اور ایک وقت ایسا آجاتا ہے جب انسان ان حقائق کو تسلیم کرلیتا ہے۔ لیکن بڑی تباہی، بربادی، اذیت، ظلم وتعدی بلکہ رسوائی کے بعد۔ بہرحال صورت حال جو بھی ہو یہ حقیقت اپنی جگہ موجود ہے کہ قرآن پاک نے انسان کو بار بار کائنات پر آزادانہ تحقیق وجستجو، غور وفکر، تعقل اور تدبر کی دعوت دے کر ایک نئے فکری دور کی بنیاد رکھی ہے۔

ابتدا میں ہم نے اللہ تعالیٰ کی اس روشنی (نور) کا ذکر کیا تھا جو انسان کو موت کی تاریکیوں سے نکال کر زندگی کی روشنی کی طرف لے آتی ہے 57:9۔ اس روشنی سے انسان کی دنیا اور آخرت روشن ہوجاتی ہے 57:12۔ اس روشنی کے علاوہ خالق کائنات نے اپنی پوری کائنات میں بھی کئی اقسام کی روشنیاں پھیلا رکھی ہیں۔ قوانین خداوندی کے زیر ہدایت کائنات میں تقسیم کار کے مطابق جس عمل سے توانائی لہروں کی شکل میں فضا کے اندر پھیلتی ہے، اس کے لئے ریڈی ایشن کی اصطلاح استعمال کی جاتی ہے۔ خود ان لہروں کو، مثلاً گرمی کی لہریں، روشنی کی لہریں یا گاما لہریں، بھی ریڈی ایشن (Radiation) کہا جاتا ہے۔ بقول ڈاکٹر عبدالودود ''روشنی یا کوئی دوسری قسم کی ریڈی ایشن ایک ایسے وسیلے (Medium) کے اندر جو مقناطیسی اثر کو جنم دے ایک تیزی سے ادل بدل (Frequency) ہونے والی لہر ہے۔ اس سے پیدا ہونے والے دو فیلڈز (میدان) برقی اور مقناطیسی ایک دوسرے سے الگ نہیں ہوسکتے۔ دونوں کے اندر تبدیلی یکساں مقدار میں ہوتی ہے۔ ایک میدان میں تبدیلی جو دوسرے میدان میں تبدیلی کو جنم دیتی ہے ایک

دوسرے کو اس رفتار سے دھکیلتی چلی جاتی ہیں جو کہ روشنی کی رفتار ہے''۔ ان ریڈی ایشن (شعاعوں) کے مختلف نام' مختلف ادل بدل کی رفتار (Frequencies) اور مختلف لمبائی (Wave Length) ہوتی ہے۔ لیکن مختلف ناموں سے موسوم ہونے کے باوجود ان کی ماہئیت ایک ہی ہے۔ ڈاکٹر عبدالودود صاحب نے دریافت شدہ ان برقی مقناطیسی (Electro Magnetic) لہروں کا ایک چارٹ یا عکس شعاعی (Spectrum) بھی بنایا ہے جس میں مختلف 'Frequencies' اور مختلف لمبائیوں والی مندرجہ ذیل لہریں شامل ہیں'

Cosmic Rays, Gamma Rays, X rays, Ultra Violet rays, Light rays, infra-red rays and Wireless rays.

ان میں صرف روشنی کی لہریں مرئی (Visible) ہیں باقی تمام لہریں ننگی آنکھ کے لئے غیر مرئی (Invisible) ہیں۔ بلند فریکونسی والی لہروں کی لمبائی کم ہوگی اور کم فریکینسی والی لہروں کی لمبائی زیادہ ہوگی۔

ڈاکٹر صاحب نے کائناتی شعاعوں (Cosmic rays) کے بارے میں کہا ہے کہ ''سب سے کم لمبی کائناتی لہروں کے مصدر اور ان کی نوعیت کے بارے میں علم ابھی محدود ہے''۔ دراصل' جیسا کہ ہم آگے چل کر تفصیل سے دیکھیں گے' کہ یہ ریڈی ایشن ان دِنوں نئی نئی دریافت ہوئی تھی اس لئے اس کے متعلق زیادہ معلومات نہیں تھیں۔ اس پر بعد میں تحقیق و تفتیش کا سلسلہ شروع ہوا جو ابھی تک جاری ہے۔ اب اس ریڈی ایشن کا نام صرف کا سمک ریز نہیں بلکہ 'Cosmic microwave back ground Radiation, یا 'The primeval fireball Radiation' ہے۔ ایک برطانوی سائنسدان مارکس شان (Marcus Chown) نے۔ (After glow of Creation) کے نام سے ایک کتاب شائع کی ہے۔ جس میں انہوں نے مائیکرو ویو ریڈی ایشن سے متعلقہ تمام معلومات کا احاطہ کرنے کے علاوہ اس کی دریافت میں ہونے والی پیش رفت اور دیگر حالات اور واقعات کا تفصیلی جائزہ لیا ہے۔ میں اپنے مضامین میں اکثر ان کی کتاب کا حوالہ دیتا رہا ہوں۔ ان کا کہنا ہے کہ خلاء سے بوچھاڑ کی صورت میں زمین پر آنے والی روشنی کے معمولی حصے کا ہم اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کرتے ہیں۔ اس روشنی کا بڑا حصہ غیر مرئی روشنی پر مشتمل ہے۔ نوع انسان کی تاریخ میں ہم اس روشنی کو دیکھنے سے معذور اور محروم رہے ہیں۔ مگر موجودہ زمانے میں ماہرین فلکیات نے ہماری آنکھوں سے پردہ ہٹا دیا ہے۔ اب نہایت مضبوط اور جدید طاقتور دُوربینوں سے ہم ایکس ریز' انفراریڈ اور دیگر غیر مرئی (Invisible) روشنی کا بخوبی مشاہدہ کر سکتے ہیں۔ اب ہم کائنات کی تابانیوں کو نسبتاً بہتر طریقے سے دیکھ سکتے ہیں۔

جس طرح علامہ اقبالؒ مرشد رومیؒ کی معیت میں آسمانوں کی سیر کو گئے تھے' اسی طرح مارکس بھی ہمیں ایک ''جادوئی دوربین'' کے ساتھ ان نادیدہ روشنیوں کے مشاہدے کے لئے خلا میں لے جاتے ہیں' کیونکہ زمین پر غیر مرئی روشنیوں کا بڑا حصہ فضا میں جذب

(absorbe) ہوجاتا ہے۔ یہ ایک تخیلاتی سفر ہے جس میں ہمیں صرف دوربین کے بٹن گھمانے پڑیں گے باقی کام خود بخود ہوتا جائے گا۔ پہلی نظر میں ہمیں آسمان پر ہر چیز معمول کے مطابق دکھائی دے گی لیکن جلد ہی ہم دیکھتے ہیں کہ چاند ماند پڑ رہا ہے اور ایک ایک کر کے ستارے بھی غائب ہو رہے ہیں۔ لیکن اس عمل کے ساتھ ساتھ ہمیں خالی جگہوں پر نئے ستارے نظر آ رہے ہیں۔ دراصل اس وقت ہم انفراریڈ آسمان کا مشاہدہ کر رہے ہیں۔ ہم اس نادیدہ روشنی کو دیکھ رہے ہیں جو ساحل سمندر پر زیادہ لیٹنے کی وجہ سے 'Sun stroke' کا باعث بنتی ہے۔ اب دوربین کو دوبارہ ایڈجسٹ کرنے کے بعد ہمارے سامنے ایک ایسا منظر آتا ہے جس میں انتہائی گرم گیس بلیک ہولز کی طرف غوطہ زن ہے اور مادہ لاکھوں ڈگری درجہ حرارت میں چمک رہا ہے۔ یہ چمک درحقیقت ایکس ریز ہے۔ پھر بٹن گھمانے کی بعد ہم کائنات کی سب سے طاقتور روشنی گاما شعاع کو دیکھ رہے ہیں۔ اب ہم دوربین کو پہلے والے نکتے پر سیٹ کرتے ہیں۔ چاند پھر نمودار ہوا ہے لیکن بہت ہی مدھم سی حالت میں' سورج کی روشنی کے بغیر صرف اپنی کمزور حرارت کی روشنی میں بمشکل دیکھائی دیتا ہے۔ آسمان غیر معروف ستاروں سے بھرا ہے۔ کچھ ستارے اپنی عمر کے آخری دور سے گذر رہے ہیں اور کچھ نئے ستارے ابھی تک چمکتی ہوئی گیس میں لپٹے ہوئے نظر آ رہے ہیں۔ بڑا خوش نما منظر ہے اسی کو دیکھنے کے لئے یہ سفر شروع کیا گیا تھا۔ اس وقت ہم وہی مائیکرو ویوز دیکھ رہے ہیں۔ آیئے یہاں کے احوال خود مارکس سے سنتے ہیں۔

"But now you have left even the infra-red sky behind, you are seeing microwaves. The same type of light used for radar and for heating food in those little ovens. Now if our glasses were working, some thing very odd would begin to happen, The sky would light up: not just part of it - all of it."

''پورا آسمان' ایک افق سے دوسرے افق تک ایک ہموار اور سفید موتی کی طرح چمک رہا ہے''۔

"It is as though you were inside a giant light bulb and what you are seeing is quite real. It is the relic of the Big Bang, the titanic fireball in which the universe was bron."

ناقابل یقین حد تک یہ 13.7 بلین سال کے بعد بھی ابھی تک خلاء کے ہر حصے میں سرایت کئے ہوئے ہے۔

"In fact big bang radiation makes up 99 per cent of all the eight energy streaming through the universe at this moment."

دوسری جنگ عظیم میں ریڈار کے لئے مائیکرو ویوز کی تلاش کے لئے ٹیکنالوجی میں کافی ترقی کی گئی تھی لیکن اس کے باوجود

1965ء تک اس After glow of Creation کی طرف کسی نے توجہ نہیں دی۔ کاسمک مائیکرو ویو بیک گراؤنڈ تخلیق کا سب سے پرانا 'Fossil' ہے۔ یہ براہِ راست بگ بینگ سے 13.7 بلین سال سے سفر کرتی ہوئی ہم تک پہنچی ہے۔ لہٰذا اس میں وہ کائنات نقش ہے جو 13.7 بلین سال پہلے بگ بینگ کے وقت تھی۔ اس لئے

"When you look at the microwave sky you are seeing a snap shot of the universe 15 billion years ago."

(جدید تحقیق کے مطابق بگ بینگ 13.7 بلین سال پہلے واقع ہوئی تھی) اپنے خلائی سفر میں ہم نے کاسمک مائیکرو ویوز شعاع کاری کا بڑی آسانی سے مشاہدہ کرلیا تھا مگر عملی طور پر اس کا مشاہدہ بہت ہی مشکل عمل ہے۔ عشروں کی محنت، دوڑ دھوپ، تحقیق و تفتیش، غور و فکر اور دِقت طلب تجربات کے بعد اس کا مشاہدہ ممکن ہوا۔ یہ ایک دلچسپ اور طویل داستان ہے۔ مارکس شان کہتے ہیں۔

"The extra ordinary story of the discovery of the relic radiation forms the backbone of this book. Whith its tortuous twists and turns, accidents and missed opportunities, it provides a wonderful example of the way in which science is really carried out."

کاسمک مائیکرو ویوز کی ہموار اور متوازن حالت دیکھ کر ایسا لگتا ہے کہ ابتدائی کائنات میں مادہ بھی سارے خلاء میں ہموار حالت میں پھیلا ہوا تھا۔ مارکس آج کی ناہموار کائنات کو دیکھ کر اسے ایک معما (Puzzle) قرار دیتے ہیں کہ یہ کیسے ممکن ہوا کہ اسی ہموار اور سادہ ابتداء سے یہ ناہموار اور پیچیدہ کائنات کیسے وجود میں آ گئی؟ اس کے جواب میں ان کا کہنا ہے کہ یقیناً کائنات کا مواد کسی نقطے پر دہی کی طرح ایک جگہ اکٹھا ہونا شروع ہو گیا ہوگا۔ بظاہر مائیکرو ویو ہمیں ہموار نظر آتی ہے لیکن یہ اتنی بھی ہموار نہیں۔ کیونکہ

"if we see closely at it we ought to be able to see signs of the first structures in the universe beginning to clump under gravity soon after the big bang."

بل برائسن اس کے متعلق اصولی طور پر کہتے ہیں کہ ''ایک باقاعدہ'' بگ بینگ'' ٹائپ کی کائنات کے لئے آپ کو پروٹانز کے علاوہ اور چیزوں کی ضرورت بھی پڑے گی۔ بلکہ آپ کو تقریباً ہر چیز اکٹھی کرنی پڑے گی۔ اول سے لے کر ابد تک مادے کی ہر وہ قسم جسے کائنات کی تعمیر کے لئے بروئے کار لایا گیا اور اسے سخت ترین دباؤ سے سیکٹر کر ایک ٹھوس اور پختہ شے میں بدل سکیں جس کی قطعی طور پر کوئی پیمائش نہ ہو اسے انوکھا پن (Singularity) کہتے ہیں'' مارکس مائیکرو ویوز کی دریافت کی کہانی کی ابتدا کا پس منظر یوں بیان کرتے ہیں۔

"The story begins in the first decades of the 20th century when a new generation of giant telescopes allowed astronomers to probe the remote depths of space and discover for the first time just kind of universe we were living in...."

قرآن پاک میں کائنات کے بارے میں دیئے گئے تصورات میں ایک تصور یہ بھی ہے کہ کائنات پھیل رہی ہے۔ ''اور ہم نے آسمان (خلا) کو اپنی قدرت سے بنایا اور ہم ہی اسے وسعت دے رہے ہیں'' 51:47۔ مارکس نے بھی اپنی کہانی کی ابتدا پھیلتی ہوئی کائنات (Expanding Univers) سے کی ہے۔ یہ 1824ء کے آخری دن تھے جب پوری دنیا کے ماہرین فلکیات امریکی 'Astronomical Society' کے 33ویں اجلاس میں شمولیت کے لئے واشنگٹن میں جمع تھے۔ آج اس کے اجلاس کا آخری دن تھا۔ زیادہ تر سائنسدان اپنے گھروں کو روانہ ہو چکے تھے۔ تاہم آخری دن کا اجلاس جاری تھا لیکن آدھا ہال خالی پڑا تھا۔ اس اجلاس میں مصنف کی غیر موجودگی میں ایک سائنسی مقالہ پڑھا گیا۔ اِس مقالے میں کچھ ایسی سنسنی خیز بات تھی کہ بقول مارکس!

"When the reader finished and left the podium, there must have been many in the audience who felt a sudden chill descend on the auditorium. For at long last the human race knew the true scale of the universe it was last in. And it was unimaginable more vast than any one has dreamed."

یہ مقالہ کیلیفورنیا کے عظیم ماہر فلکیات ڈاکٹر ایڈون ہبل نے تیار کیا تھا۔ ڈاکٹر ہبل پہلے ایک باکسر اور ایتھلیٹ تھا اور اس کا نائب ملٹن ہمسن پیشے کے لحاظ سے خچر باتری کا ڈرائیور (Mule driver) تھا۔ ہبل کے مشاہدے سے پہلے اکثر ماہرین فلکیات کا خیال تھا کہ ملکی وے کہکشاں کے نزدیک (Andromeds Andromeda) یا M-31 نیبولا (Nebula) صرف چمکدار گیس کا بادل ہے۔ لیکن ہبل نے ماؤنٹ وِلسن سے اپنی 100 انچ قطر والی دوربین کا رخ اس نیبولا کی طرف موڑا تو وہ یہ دیکھ کر دنگ رہ گیا کہ اینڈرومیڈا محض نیبولا نہیں بلکہ ستاروں کا ایک جزیرہ ہے۔ یہ بے شمار ستاروں کا جمگھٹا ہے جو دوری کی وجہ سے ہمیں بادلوں کی طرح نظر آ رہا ہے۔ سورج کے بارے میں اتنا تو علم تھا کہ اس کا تعلق ملکی وے سے ہے لیکن خود ملکی وے کو کہکشاں کی جگہ محض ایک گول طشتری سمجھا جاتا تھا۔ کہکشاؤں کا نظریہ ہبل کے مشاہدات اور تجربات کے نتیجے میں سامنے آیا ورنہ اس وقت تک اکثر ماہرین فلکیات کا خیال تھا کہ ملکی وے ہی پوری کائنات ہے۔

اگر اینڈرومیڈا ایک الگ کہکشاں ہے تو ہبل کے لئے یہ ایک واضح اشارہ تھا کہ ملکی وے بھی ایک کہکشاں ہے۔ ہبل نے پانچ

سال کی تحقیق کے بعد 1929ء میں اپنے مشاہدات اور تحقیقات کو قلمبند کر کے ثابت کر دیا کہ کہکشائیں ایک دوسرے سے دور ہٹ رہی ہیں یعنی کائنات وسیع ہو رہی ہے۔ مارکس تو یہاں تک کہتا ہے کہ

"Hubble had made the outstanding astronomical discovery of the century. The entire universe was expanding. Its Constituent glasies flying apart like Cosmic sharpnel."

اور اگر کائنات پھیل رہی ہے تو ظاہر ہے کہ ماضی میں یہ ایک دوسری سے ملی ہوئی ہوں گی۔ پھیلتی ہوئی کائنات کا نظریہ سب سے پہلے 1922ء میں ایک روسی سائنسدان ڈاکٹر فرائیڈ مین نے پیش کیا تھا۔ ہبل نے اسے عملی طور پر ثابت کیا تھا۔ ہبل کی اس دریافت کے نتیجے میں دو نظریات سامنے آئے ایک تو خود کہکشاؤں کا نظریہ اور دوسرا بگ بینگ کا نظریہ۔ بگ بینگ کے موضوع پر میرا ایک مضمون طلوع اسلام بابت نومبر 2012ء میں شائع ہو چکا ہے۔ خلاصہ اس نظریے کا یہ ہے کہ کائنات ابتدا میں ایک وحدت تھی اس میں ایک عظیم دھماکہ ہوا اور اس کے مختلف اجزا (مستقبل کی کہکشائیں) ایک دوسرے سے دور بھاگنے لگے۔ بل برائسن کے مطابق ''ہماری کائنات نیستی، عدم، فنا یا لاشے سے شروع ہوتی ہے۔ اچانک طلسماتی طور پر ایک یادگاری عہد میں جو اتنا سریع اور گراں بہا ہے کہ الفاظ اس کے بیان سے قاصر ہیں۔ ندرت، افلاکی جسامتیں اختیار کر لیتی ہے۔ یہ وہ خلا ہے جو ہمارے وہم و گمان سے بھی ماورا ہے۔ پہلے ہی سیکنڈ میں کشش ثقل پیدا ہو گئی اور دوسری بہت سی طاقتیں جو طبعیات کی بانی مبانی ہیں وجود میں آئیں۔ ایک منٹ سے بھی تھوڑے عرصے میں اس کی لمبائی چوڑائی لاکھوں کروڑوں میل تک تجاوز کر گئی اور ابھی تک وسعت پذیر ہے''۔ اس واقعہ کو بگ بینگ کا نام فریڈ ہائل نے بطور طنز دیا تھا۔ تاہم کچھ سائنسدان کہتے ہیں کہ درحقیقت یہ ایک دھماکہ نہیں تھا بلکہ وسیع پیمانے پر ایک اچانک پھیلاؤ تھا۔ بل برائسن کہتے ہیں ''کائنات کے شروع کے حالات کے بارے میں ہمیں جو کچھ معلوم ہے یا ہمیں یقین ہے کہ ہمیں معلوم ہے، اس کا زیادہ تر دارومدار 'انفلیشن تھیوری' پر ہے جو ہمیں کائنات کے تخلیقی عمل کے فوری بعد کے وقفے کے بارے میں بتلاتی ہے۔ جب کائنات نے ڈرامائی انداز میں ''پھیلاؤ'' اختیار کیا اور یہ پھیلاؤ 10^{-34} سیکنڈ کے وقفے سے دگنا ہوتا گیا یہ سارا وقوعہ 10^{-30} سیکنڈ میں مکمل ہو گیا یعنی ایک ملین ملین ملین ملیونتھس آف ون سیکنڈ میں سب کچھ ہو گیا اور کائنات ایک ایسی شے سے جسے آپ ہتھیلی میں رکھ سکتے تھے ایک ایسی عظیم الشان شے میں تبدیل ہو گئی یعنی 10^{25} گنا بڑی ہو گئی۔

''انفلیشن تھیوری کے مطابق کشش ثقل کے تھوڑی عرصے بعد برقی مقناطیست اور طاقتور اور کمزور نیوکلیئر فورسز اس میں شامل ہو گئیں۔ اور تھوڑے سے وقت کے بعد ان میں اساسی ذرات کا ہجوم شامل ہو گیا یعنی اسباب در اسباب اوپر تلے بڑھتا گیا اور جبکہ کچھ بھی نہ تھا۔ اچانک اب فوٹونز، الیکٹرونز اور نیوٹرونز کا ہجوم ہو گیا اور یہ سب کچھ بگ بینگ تھیوری کے مطابق 10^{79} یا 10^{89} سیکنڈ کے

وقفے میں وقوع پذیر ہوا''۔(بل برائسن) یہ حقیقت کہ کائنات میں ایک مقصد کارفرما ہے اس بات سے ثابت ہوجاتی ہے کہ اگر موجودہ کائنات تھوڑی سی بھی مختلف ہوتی تو یہاں پیچیدہ اور شعوری زندگی کی نمود ناممکن تھی۔ بقول برائسن ''اگر کائنات ذرہ برابر بھی مختلف ہوتی، کشش ثقل تھوڑی کم یا زیادہ طاقتور ہوتی یا پھیلاؤ تھوڑی سستی یا کسی قدر تیزی سے رونما ہوتا تو ایسی مستحکم اساسیں ناپید ہوتیں جنہوں نے مجھے اور آپ کو پیدا کیا یا اس زمین کو جس پر ہم آج کھڑے ہیں۔ اگر کشش ثقل تھوڑی یا زیادہ طاقتور ہوتی تو کائنات ایک بے ترتیبی سے کھڑے کئے ہوئے خیمے کی طرح ڈھے جاتی یا پھر کچھ بھی آپس میں اکٹھا نہ ہوتا۔۔۔۔کائنات کی بقا کے لئے ضروری ہے کہ ہائیڈروجن ہیلیم میں تبدیل ہو لیکن ایک خاص معینہ مقدار میں یعنی لازمی طور پر اس کے مادے کا سات ایک ہزارواں حصہ انرجی میں تبدیل ہو یعنی (Seventh one thousand of its mass) اگر اس مقدار کو ہم تھوڑا سا کم مثلاً 007. فیصد سے 006. فیصد کردیں تو یہ تبدیلی ناممکن ہوجائے گی پھر کائنات میں صرف ہائیڈروجن ہوگی اور بس۔ اور اگر یہ مقدار 008. کردیں تو یہ تبدیلی یا تغیر اتنا تیز ہوجائے گا کہ مدتوں پہلے ہائیڈروجن ختم ہوچکی ہوتی۔ اعداد وشمار کے ذرہ بھر تبدیل ہوجانے سے یہ کائنات جسے ہم جانتے ہیں اور جس کی ہمیں ضرورت ہے کبھی کی ختم ہوچکی ہوتی''۔

سائنس کی دنیا میں بگ بینگ کے وقوعہ پر تحقیق جاری ہے۔ مختلف نظریات سامنے آرہے ہیں اور آتے رہیں گے۔ ہمارے اصل موضوع کا تعلق بھی بنیاد و لحاظ سے اسی وقوعہ سے ہے۔ کاسمک مائیکرو ویوز بیک گراؤنڈ ٹریڈیشن دراصل بگ بینگ کی بچی کھچی ہوئی نور افشانی یا ریڈی ایشن ہے۔ اس کائناتی پس منظر ریڈی ایشن کا نظریہ سب سے پہلے ایک رشین سائنسدان جارج گیمو (George Gamow) نے پیش کیا تھا۔ وہ 1931ء میں امریکہ منتقل ہوگئے تھے۔ امریکہ آنے سے قبل روس میں انہوں نے مشہور سائنسدان الیگزینڈر فرائیڈ مین سے کاسمولوجی کی تعلیم حاصل کی تھی۔ یہ وہی فرائیڈ مین ہیں جنہوں نے سب سے پہلے ''پھیلتی ہوئی کائنات'' کا تصور دیا تھا۔ گیمو نے بعد میں کیمبرج میں 'Ruther ford' کے ساتھ کام کیا جنہوں نے نیوکلیئر فزکس سائنس کی تخلیق کی تھی۔ گیمو نے کوپن ہیگن میں مشہور سائنسدان نیل بوہر کے ساتھ بھی کام کیا تھا جنہوں نے ایٹم کی جدید تصویر وضع کی تھی۔ گیمو کے بارے میں مارکس کہتے ہیں۔

"Gamow was the first to realise that the big bang must have been a 'hot' big bang' He envisaged the early universe as a seething mass of protons, neutrons and electrons compressed into a tiny, tiney volume. Some thing then triggend this mass suddenly to start the expanding and cooling, and as it did so nuclear reactions among the basic ingredients formed all the elements. All this would happen in the first few minuts ofter the big bang

before the expanding fire ball colld so much that nuclear reactions stoped."

اسٹفن ہاکنگ نے اس کی مزید وضاحت کی ہے کہ ''حساب لگایا جا سکتا ہے کہ گرم بگ بینگ کے ماڈل میں پروٹانوں اور نیوٹرانوں کی ایک چوتھائی تعداد ہیلیئم کے نیوکلیئس میں تبدیل ہو جائے گی جس کے ساتھ کم تعداد میں بھاری ہائیڈروجن اور دوسرے عناصر بھی ہوں گے۔ باقی ماندہ نیوٹرانز زوال پذیر ہو کر پروٹانز بن جائیں گے جو عام ہائیڈروجن کے ایٹموں کے نیوکلائی ہیں''۔ اسٹیفن نے اپنے مخصوص دلچسپ انداز میں گیمو اور ان کے ساتھیوں کی اس اہم دریافت کا احوال یوں رقم کیا ہے۔ کائنات کے ابتدائی گرم مرحلے کی یہ تصویر سائنسدانوں جارج گیمو نے اپنے ایک شاگرد رالف الفر کے ساتھ مشترکہ مقالے میں 1948ء میں پیش کی تھی' گیمو کی حس ظرافت بھی اچھی تھی۔ (یہ حس خود اسٹیفن میں بھی کسی سے کم نہیں) اس نے نیوکلیئر سائنسدان ہانس بیتھے (Hans Bethe) کو اس بات پر راضی کر لیا تھا کہ وہ بھی اس مقالے کے مصنفین میں اپنا نام شامل کرے تاکہ الفر بیتھے اور گیمو (Alfher, Bethe, Gamow) یونانی حروف تہجی کے پہلے تین حروف 'Alfa, Beta, Gama' (الفابیٹا' گاما) سے مماثلت پیدا ہو جائے' جو آغاز کائنات پر لکھے جانے والے مقالے کے لئے بہت موزوں ہے۔ اس مقالے میں انہوں نے یہ غیر معمولی پیش گوئی کی کہ کائنات کی ابتدائی اور بہت گرم حالت سے خارج ہونے والی شعاع کاری (فوٹون کی شکل میں) اب بھی موجود ہونی چاہئے۔ مگر اس کا درجہ حرارت کم ہو کر مطلق صفر (-273.15c) سے صرف چند درجے اوپر ہوگا۔ اس شعاع کاری کو پینز یاس اور ولسن نے 1965ء میں دریافت کیا۔'' گیمو نے یہ اندازہ بھی لگا لیا تھا کہ جتنے وقت میں یہ تابانی (Radiation) کائنات کی لامحدود وسعتوں میں سے گزرتی ہوئی زمین پر پہنچے گی تو اس وقت اس کی ماہیت بدل کر مائیکرو ویوز کی شکل اختیار کر چکی ہوگی۔ گیمو نے یہ اندازہ بھی کر لیا تھا کہ بگ بینگ کی اس باقیات کا سپیکٹرم (Spectorum) سیاہ (Black) ہوگا۔ بعد میں اس کائناتی پس منظر ریڈی ایشن کی دریافت کے بعد گیمو کی یہ تمام پیش گوئیاں درست ثابت ہوئیں۔ گیمو کی پیشن گوئی کے مطابق مائیکرو ویوز شعاع کا درجہ حرارت 270.42- ڈگری سنٹی گریڈ ہے یعنی مطلق صفر (Absolute Zero) سے صرف 2.73- سنٹی گریڈ زیادہ۔ اسٹفن کا کہنا ہے کہ گیمو نے جب اپنے ساتھیوں کے ساتھ یہ مقالہ لکھا تھا' اس وقت نیوٹرانز اور پروٹانز کے نیوکلیئر تعامل کے بارے میں زیادہ معلومات نہیں تھیں اس لئے مختلف عناصر کے تناسب کے لئے کی جانے والی پیش گوئیاں ٹھیک نہیں ہوا کرتی تھیں۔ مگر یہ اعداد و شمار بہتر معلومات کی روشنی میں اب ہمارے مشاہدے سے بہت مطابقت رکھتے ہیں۔'' چنانچہ ہمیں یقین ہے کہ کم از کم بگ بینگ کے ایک سیکنڈ بعد تک کی ہماری تصویر درست ہے''۔

(جاری ہے)

☆.....☆.....☆

خواجہ ازہر عباس، فاضل درسِ نظامی
azureabbas@hotmail.com
www.azharabbas.com

اللہ تعالیٰ کا انسانیت سے رابطہ کا واحد ذریعہ اس کا کلام کرنا ہے

اللہ تعالیٰ کی ذات عالی اِس درجہ عظیم المرتبت ہے کہ کوئی انسان نہ تو اس سے براہِ راست کلام کرسکتا ہے اور نہ ہی براہِ راست اس کی اطاعت کی جاسکتی ہے۔ اِس ذات عالی سے کلام بھی صرف رسولوں کی معرفت ہوسکتا تھا اور اِس کی اطاعت بھی رسولوں کی معرفت ہو سکتی تھی مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ (4:80) جس نے رسول کی اطاعت کی، تو اس نے خدا کی اطاعت کی۔ جب تک انبیاء کرام کی آمد کا سلسلہ جاری رہا، یہ دونوں امور براہِ راست انبیاء کرام کی نگرانی اور ان کی زیرِ سرپرستی سرانجام پاتے رہے۔ انبیاء کرام براہِ راست اپنی اپنی اُمتوں کو اللہ تعالیٰ کا کلام پہنچاتے رہے، اور ان انبیاءِ کرام کی اطاعت کرنے سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت بھی ہوتی رہی۔ ختم نبوت کے بعد اللہ تعالیٰ سے کلام کرنے اور اس سے براہِ راست علم حاصل کرنے کا واحد ذریعہ قرآن کریم ہے، اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنے کا واحد ذریعہ اس کے عطا کردہ نظام کی اطاعت ہے۔ نہ قرآن کریم کے علاوہ اللہ تعالیٰ سے کوئی علم حاصل ہوسکتا ہے، اور نہ اسلامی نظام قائم کئے بغیر اللہ کی اطاعت ہوسکتی ہے۔

لیکن صد ہزار افسوس کہ ہم نے ان دونوں اصولوں سے انحراف کیا۔ ہم مسلمانوں میں ختم نبوت کے بعد بھی قرآن کے علاوہ اللہ تعالیٰ سے براہِ راست علم حاصل کرنے کے طریقے جاری رہے وحیِ خفی، الہام، القاء، کشف، استخارہ، فال، رُویائے صادقہ ان تمام ذرائع سے ہم علم خداوندی حاصل کرتے رہے، اور اُس پر عمل بھی کرتے رہے۔ جہاں تک اطاعت خداوندی کرنے کا تعلق ہے، ہم نے اسلامی نظام کے قیام کے بغیر ہی پرستش کو اطاعت خداوندی قرار دے دیا۔ رہ گئی رسمِ اذاں روحِ بلالی نہ رہی۔

قرآن کریم کے علاوہ، علم الٰہی اور ہدایتِ خداوندی حاصل کرنے کے جتنے بھی ذرائع ہیں یہ صرف قرآن کریم کی اہمیت کو کم کرتے ہوئے ایجاد کئے گئے ہیں۔ ان ذرائع میں سرفہرست الہام ہے۔ آپ اگر تصوف کے لٹریچر میں الہامات کا مطالعہ فرمائیں تو آپ کو دو باتیں نمایاں طور پر محسوس ہوں گی۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ ان الہامات میں تضاد بہت پایا جاتا ہے، کسی کو الہام ہوا کہ امام مہدی حنفی ہوں گے اور کسی دوسرے بزرگ کو الہام ہوا کہ امام مہدی حنبلی ہوں گے۔ آپ اولیاء اللہ کے ان الہامات کو یکجا جمع کریں تو آپ کو ان الہامات میں جگہ جگہ واضح تضادات ملیں گے۔ جبکہ علم خداوندی میں کبھی تضاد نہیں ہوسکتا۔

دوسری نمایاں بات یہ ہے کہ جتنے الہامات ہیں وہ زیادہ تر پرستش اور مذہب سے متعلق ہیں۔ دین سے کسی الہام کا تعلق نہیں ہے۔ کسی بزرگ یا ولی اللہ کو یہ کبھی الہام نہیں ہوا کہ انسان کی حکومت انسان پر حرام ہے اور اقامتِ دین ہر ولی اللہ پر فرض ہے۔ کسی بزرگ کو یہ الہام نہیں ہوا کہ سود کے بغیر کوئی نظام کس طرح چل سکتا ہے؟ کسی بزرگ کو الہام میں سیاسی یا معاشی نظام کے اصول نہیں بتائے گئے۔

استخارہ بھی اسی نوعیت کی ایک رسم ہے' قرآن کریم میں ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ جب جانتا ہے کہ وہ بندوں سے ان تین طریقوں سے گفتگو کرسکتا ہے (42:51) اس گفتگو کی ابتدا (Initiate) اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہے۔ وہ ذات عالی غنی وحمید ہے۔ وہ کسی بندہ کی پابند نہیں کہ وہ کسی بندہ کے کہنے پر اس سے کلام کرے۔ لیکن استخارہ میں ابتداء انسان کی طرف سے کی جاتی ہے کہ وہ انسان جب چاہتا ہے' اللہ تعالیٰ سے علم حاصل کرلیتا ہے' یہ بات بھی ممکن ہے کہ شاید آپ کو استخارہ کرنے کا طریقہ ہی معلوم نہ ہو کہ استخارہ کس طرح کرتے ہیں۔ تو آپ کے علم کے لئے عرض ہے کہ استخارہ کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے مستخیر اپنے ذہن میں یہ بات طے کرلیتا ہے کہ وہ تسبیح کے دانے الگ الگ کرے گا۔ اگر تسبیح کے دانے طاق آئے تو میں یہ کام کروں گا اور اگر طاق نہیں آئے بلکہ جفت آئے تو میں یہ کام نہیں کروں گا یہ بات ذہن میں طے کرنے کے بعد وہ مستخیر پہلے 3 بار یا چار بار یا سات بار درود شریف پڑھتا ہے اس کے بعد وہ یہ دعا پڑھتا ہے استخیر اللہ ربی خیرا عافیۃ۔ (ترجمہ: میں اپنے رب سے عاقبت والی خیر طلب کرتا ہوں)۔ یا اسی قسم کی کوئی اور دعا بھی پڑھ لیتے ہیں۔ اس کے بعد مستخیر تسبیح کے دانوں کو شمار کرتا ہے۔ اگر وہ دانے طاق آئے تو وہ کام کرلیتا ہے جس کے لئے وہ اللہ تعالیٰ کی مرضی طلب کررہا ہے ورنہ دوسری صورت میں وہ مستخیر اس کام کو نہیں کرے گا۔ لیکن آپ غور فرمائیں کہ اس طریقہ کے مطابق تسبیح کے دانوں کو شمار کرنے پر علم الٰہی حاصل کرنے کا دارومدار رہ جاتا ہے۔ اصل یہ ہے کہ ہم نے علم خداوندی کی اہمیت کا اندازہ ہی نہیں کیا۔ وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖٓ (6:91) اور لوگوں نے خدا کی جیسی قدر کرنی چاہئے تھی نہ کی۔

قرآن کریم نے علم الٰہی حاصل ہونے کے طریقے خود بتادیئے ہیں۔ ان طریقوں میں قرآن نے ایک ایسا اصول بتایا ہے جس اصول کو ہمارے ہاں بھی اہمیت نہیں دی گئی۔ اِس موجودہ مضمون میں اس اصول کو واضح کیا جارہا ہے۔ اگر آپ قرآن کریم کے اس ایک اصول کو سامنے رکھ لیں تو پھر قرآن کے علاوہ اللہ تعالیٰ سے علم حاصل کرنے کا کوئی طریقہ ہی باقی نہیں رہتا۔ یہ اصول سورہ شوریٰ کی اِس آیت سے مستنبط ہوتا ہے جس کی تشریح اِس سے پیشتر بیشمار مقامات پر کی جاچکی ہے۔ اس آیت کا ترجمہ اور اِس کی تشریح دیگر تفاسیر سے پیش کرتے ہیں۔

ارشاد عالی ہے وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا فَيُوْحِيَ بِاِذْنِهٖ مَا يَشَآءُ ۭ اِنَّهٗ عَلِيٌّ حَكِيْمٌ (42:51) جناب شیخ الہند نے اس کا ترجمہ اِس طرح تحریر فرمایا ہے ''اور کسی آدمی کی یہ طاقت نہیں کہ اس سے باتیں کرے اللہ' مگر

اشارہ سے' یا پردہ کے پیچھے سے کوئی پیغام لانے والا' پھر پہنچا دے اس کے حکم سے جو وہ چاہتا ہے تحقیق وہ سب سے اوپر حکمتوں والا ہے۔ اس کے حاشیہ پر جناب علامہ عثمانی نے تحریر فرمایا ''کوئی بشر اپنی ساخت اور موجودہ قویٰ کے اعتبار سے یہ طاقت نہیں رکھتا کہ خداوند قدوس اس دنیا میں اس کے سامنے ہوکر مشافۃً کلام فرمائے اور وہ تحمل کر سکے۔ اسی لئے کسی بشر سے اس کے ہم کلام ہونے کی تین صورتیں ہیں''۔ اس اقتباس کے بعد مولانا عثمانی مرحوم نے ہم کلامی کی ان تینوں صورتوں کی تشریح فرمائی ہے۔ ہم کلامی کی جو تین صورتیں حضرت موصوف نے بتائی ہیں۔ ہمیں ان سے اتفاق نہیں ہے۔ ہمیں تو صرف یہ دکھانا مقصود ہے کہ اللہ تعالیٰ جب بھی کسی بشر کو اپنی طرف سے کوئی علم عطا فرماتا ہے وہ کلام کے ذریعہ ہی عطا کرتا ہے' جس کی تائید حضرت اقدس نے فرما دی۔ اللہ تعالیٰ کا انسانیت سے رابطہ صرف اس کے کلام کے ذریعے ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ اور کوئی ذریعہ رابطہ کا ان دونوں کے درمیان ہو ہی نہیں سکتا۔

(2) تفسیر معارف القرآن میں اس آیت کا ترجمہ بالکل وہی دیا ہے جو کہ حضرت مولانا شیخ الہند نے فرمایا ہے۔ اس کی تفسیر میں تحریر ہے۔ ''اس آیت میں یہ بھی بتلا دیا گیا کہ بشر سے اللہ تعالیٰ کے کلام کرنے کی صرف تین صورتیں ہو سکتی ہیں''۔ اس کے بعد حضرت نے ان تینوں طریقوں کی وضاحت فرمائی۔ ان کا نقل کرنا' ہمارے پیش نظر مقصد کے لئے ضروری نہیں ہے۔ ہمارے موقف کی تائید کے لئے اِس آیت کی تفسیر کا اتنا حصہ ہی کافی ہے جس میں حضرت نے یہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ انسانیت سے صرف کلام ہی کرتا ہے اور اس کی تین صورتیں ہیں۔

(3) حضرت شاہ عبدالقادر دہلوی نے ترجمہ وہی کیا جو حضرت شیخ الہند نے فرمایا ہے۔ اور اتنی اہم آیت کے بارے میں انہوں نے موضحِ القرآن میں بہت اختصار سے کام لے کر صرف یہ تحریر فرمایا ہے ''حضرت موسیٰ سے کلام ہوئے پردہ کے پیچھے سے''۔ حضرت کا یہ موقف یقیناً قرآن کے مطابق ہے کہ حضرت موسیٰ سے بھی کلام ہوا ہے۔ اس کی تائید میں آیات 20:11-48 & 27:12-8' ملاحظہ فرمائیں۔

(4) ان ہی بزرگوار کے والد ماجد حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے فتح الرحمٰن میں اِس آیت کا ترجمہ یہ تحریر فرمایا ہے ''وممکن نیست ہیچ آدمی را کہ سخن گوید با اُو خدا مگر باشارت یا از پس پردہ یا بفرستد فرشتہ را' پس نازل کند بحکم خدا آنچہ خدا خواستہ است۔ ہر آئینہ خدا بلند مرتبہ با حکمت است''۔ اور انہوں نے اپنے حاشیہ میں تحریر فرمایا۔

''ونیست ونشاید مرآدمی را آنکہ سخن گوید خدائی باوے مواجھۃً دردنیا وآنکس اورا بیند''۔ اِس ترجمہ اور اِس حاشیہ میں حضرت شاہ ولی اللہ نے رابطہ خداوندی کو ''سخن گفتن'' (کلام) تک محدود کر دیا ہے۔

آپ قرآن کریم کے جتنے بھی تراجم وتفاسیر ملاحظہ فرمالیں ان تمام تراجم اور ان تمام تفاسیر نے اللہ تعالیٰ اور بشریت کے رابطہ کو

صرف کلام خداوندی تک محدود کر دیا ہے' کلام خداوندی کے علاوہ اللہ تعالیٰ کا انسانیت سے اور کسی طرح کا رابطہ ہو ہی نہیں سکتا اور اسی وجہ سے قرآن کریم کلام اللہ ہے۔ صحاح ستہ کی کوئی کتاب یا کسی بزرگ کے الہام کو کلام اللہ نہیں کہہ سکتے۔ قرآن کریم نے اللہ تعالیٰ اور انسانیت کے رابطے کا اصول بہت واضح کر دیا ہے کہ اِس ذاتی عالی مرتبت کا رابطہ صرف کلام کے ذریعے ہوسکتا ہے۔ اور اِس بات کو واضح کرنے کی کوئی ضرورت نہیں کہ کلام کے لئے الفاظ کا ہونا ضروری اور لازمی شے ہے۔ الفاظ کے بغیر کلام ہو ہی نہیں سکتا۔ امام راغب نے لکھا ہے'' کلام کا اطلاق منظّم ومرتب الفاظ اوران کے معانی دونوں کے مجموعہ پر ہوتا ہے''۔

جہاں تک اِس آیت کی تفسیر کا تعلق ہے' تمام مفسرین کرام نے از ابتداء تا ایں سیاہ دوران' بالکل غلط اور خلاف قرآن فرمائی ہے۔ ان کے اس تسامح کی وجہ یہ نہیں ہے کہ وہ خدانخواستہ عالم یا مخلص نہیں تھے۔ ان مفسرین کرام میں سے اکثر عربی ادب کے امام تھے۔ ان کے احترام کی وجہ سے ہماری آنکھیں ان کے سامنے جھک جاتی ہیں۔ ہمیں اپنے دل کی گہرائی سے ان سے محبت اور خلوص ہے۔ ان کے اس تسامح کی اصل وجہ یہ ہے کہ انہوں نے اپنی تفسیر روایات کے زیر اثر تحریر کی ہے۔ اور اِس اصول کو بالکل نظر انداز کر دیا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے انسانیت کو جو بھی علم ملا وہ صرف کلام کے ذریعے ملا تھا' اور کلام کے لئے الفاظ کا ہونا شرط ہے۔ چونکہ الہام' القاء' استخارہ' وحی خفی' کشف' رویائے صادقہ میں' الفاظ نہیں ہوتے' اِس لئے وہ منجانب اللہ نہیں ہوسکتے۔ اور یہ سب عقائد خلاف قرآن ہیں۔ لیکن چونکہ ان مفسرین کرام کو ان عقائد کی گنجائش رکھنی ضروری تھی اس لئے انہوں نے اس آیت کی جو تفسیر کی وہ روایات پر مبنی ہے' لیکن قرآن کریم کے بالکل خلاف ہے۔ ہم بھی ان مفسرین کی پیش کردہ تفسیر کو اس وجہ سے نقل نہیں کر رہے کہ وہ قرآن کے خلاف ہے اور ہمارا مدعا ثابت کرنے کے لئے ان پر نظر ڈالنی ضروری نہیں ہے ہمارے مدعا کو ثابت کرنے کے لئے تو اصل مبحث یہ اصولی نقطہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے انسانوں کے لئے کوئی علم بغیر الفاظ کے آ سکتا تھا' یا آ سکتا ہے یا نہیں۔ اگر کوئی اِس نقطہ پر تبادلہ خیال کرنا چاہتے ہیں تو وہ ضرور اپنا نقطۂ نظر ارسال فرما دیں۔ ہم ان کے شکر گزار ہوں گے۔ ہم نے تحریر کیا ہے کہ ہمارے مفسرین کرام نے اِس آیت (42:51) کی تفسیر درست نہیں کی۔ انہوں نے اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدایات موصول ہونے کی تین صورتیں تحریر کی ہیں۔ پہلی صورت براہِ راست وحی (الہام) دوسری صورت پردے کے پیچھے سے کلام' اور تیسری صورت اللہ کے پیغام رساں (ملک) کے ذریعے وحی۔ یہ بھی عقیدہ بنایا کہ قرآن میں جو وحی دی گئی ہے وہ آخری اور تیسری قسم کی وحی کے ذریعے ہے' اس طرح قرآن کو تو صرف ایک قسم کی وحی قرار دیا گیا اور باقی دو صورتیں وحی ملنے کی جو تھیں وہ اس وحی کے علاوہ خارج از قرآن وحی پر مشتمل ہیں لیکن یہ مفہوم غلط ہے کیونکہ (1) مفسرین کرام کے مطابق یہ تینوں صورتیں انبیاء کرام سے مخصوص ہیں۔ حالانکہ آیت میں صرف نبی یا رسول سے گفتگو کرنے کا ذکر نہیں ہے بلکہ تمام نوع انسانی سے خطاب کرنے کا ذکر ہو رہا ہے' اس لئے اس آیت کے درست مفہوم میں ساری

نوع بشریت کو شامل کرنا ہوگا۔

(2) جب آیت میں رسول کے معنی بخوبی لگ سکتے ہیں، تو رسول کے معنے فرشتہ لینا مناسب نہیں ہے۔ پھر یہ کہ کلام الٰہی کی یہ تیسری قسم یعنی بذریعہ فرشتہ پیغام ارسال کرنا، تو خود ہی پہلی قسم وحی میں داخل ہے۔ اصل یہ ہے کہ اِس آیت میں وحی کی قسمیں نہیں بتائی جارہی ہیں بلکہ یہ مکالمۂ الٰہی کے تین طریقے بتائے جارہے ہیں جن میں سے ہر طریقہ میں الفاظ کا ہونا ضروری ہے۔ ان نقائص کے پیش نظر آیت کا یہ مفہوم درست نہیں ہے اب ہم اس آیت کا وہ صحیح مفہوم پیش کرتے ہیں جو محترم پرویز صاحب نے کیا ہے وہ فرماتے ہیں۔

''اس آیت میں انسانوں تک خدا کا کلام پہنچنے کے طریقوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ انسانوں کی دو قسمیں ہیں۔ ایک رسول اور دوسرے رسولوں کے علاوہ عام انسان۔ پہلے رسولوں کے متعلق کہا گیا کہ ان تک خدا کا کلام جس طرح پہنچتا ہے اس کے دو طریقے بتائے گئے ہیں۔ ایک اس وحی کے ذریعے جو جبرئیل کی وساطت سے بھیجی جاتی ہے جیسے رسول اللہ پر وحی آتی تھی یعنی بذریعہ جبریل جس کے متعلق کہا گیا کہ **فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ** (2:97) اور دوسرا طریقہ فرشتہ کے بغیر براہِ راست اس طرح کہ آواز سنائی دے۔ لیکن بات کرنے والا (خدا) دکھائی نہ دے، جیسے حضرت موسیٰ کی طرف وحی (سورۂ طٰہٰ) میں نودی یا موسیٰ کہنے کے بعد فرمایا **فَاسْتَمِعْ لِمَا يُوْحٰى** (20:11-13)۔

یہ دونوں طریقے رسولوں کے ساتھ خدا کے کلام کے ہوئے اب رہے وہ بشر جو رسول نہیں ہیں تو ان کے ساتھ خدا نے اپنے کلام کا طریقہ یہ بتایا کہ وہ ان کی طرف اپنے رسول بھیجتا ہے اور ان رسولوں کی وساطت سے اپنا کلام ان تک پہنچاتا ہے۔ کسی غیر رسول سے خدا نہ براہِ راست بات کرتا ہے اور نہ ہی اس کی طرف فرشتے کے ذریعے سے انہیں وحی بھیجتا ہے غیر رسول کو خدا کی وحی ہمیشہ رسول کی وساطت سے ملے گی۔

یہاں تک تو خدا کی اس ہم کلامی کا ذکر ہوا جو رسول اللہ کے ساتھ وحی کے ذریعے ہوئی۔ اس کے بعد کہا **وَاِنَّكَ لَتَهْدِيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ** (42:52) اور تو اے رسول یقیناً لوگوں کی راہنمائی صراطِ مستقیم کی طرف کرتا ہے، اور اِس طرح غیر رسول انسانوں تک خدا کا کلام پہنچ جاتا ہے۔ یعنی رسول کی وساطت ہے۔ (قرآنی فیصلے، حصہ اوّل، ص230)۔

آپ نے ملاحظہ فرمالیا کہ انسانیت کو علم ملنے کا واحد ذریعہ کلام ہے۔ اور کلام میں الفاظ کا ہونا ضروری ہے اور چونکہ وحی خفی الہام، القاء وغیرہ میں الفاظ نہیں ہوتے اِس لئے وہ منجانب اللہ نہیں ہوتے۔

☆.....☆.....☆

بنجر پاکستان میں، باغبانی اور جنگل کاری

☆ باغبان ایسوسی ایشن کا ماٹو ''قرآن فہمی اور باغبانی'' ہے

☆ 2014ء مری میں باغبانی کی 101 ویں سالگرہ ہے

☆ پاکستان بھر کے باغبانوں، زرعی اداروں، زرعی یونیورسٹیوں اور پورے پاکستان کے محکمہ جنگلات اور محکمہ ماحولیات کے دانشور خواتین وحضرات سے پرزور اپیل کی جاتی ہے کہ وہ 2014ء کو

''بنجر پاکستان میں باغبانی اور جنگل کاری'' کے طور پر منائیں اس سے مندرجہ ذیل فوائد حاصل ہوں گے۔

☆ بنجر پاکستان آباد ہوگا

☆ بنجر پاکستان میں باغبانی ہوگی

☆ بنجر پاکستان میں جنگل کاری ہوگی

☆ روزگار کے مواقع پیدا ہوں گے

☆ غربت کے خاتمہ میں مدد ملے گی

☆ ماحولیات کے لئے یہ سال بطور خاص اہمیت حاصل کرے گا

☆ جہاں مری کے باغبان اپنی 101 ویں سالگرہ منائیں گے وہاں پورے پاکستان کا ساتھ دیتے ہوئے 2014ء کو باغبانی اور جنگل کاری کے طور پر منائیں گے

☆ 100 سالہ پودہ جات میں مری کا آملہ۔ دیسی انار۔ ناکھ ناشپاتی۔ اخروٹ۔ ہاڑی۔ شہتوت۔ بٹنگی۔ پھگواڑی اور ریٹھا کے پودے شامل ہیں۔ لاہور چڑیا گھر کا برگد کا درخت سو سالہ ہے۔ دیگر معلومات درکار ہیں۔

پتہ / رابطہ

(1) ملک حنیف وجدآنی صدر باغبان ایسوسی ایشن سنبل سیّداں نیو مری

(2) صبینہ یاسمین سینئر نائب صدر باغبان ایسوسی ایشن ٹبی سیّداں سوہاوہ جہلم

(3) تنویر صادق نائب صدر باغبان ایسوسی ایشن میاں چنوں خانیوال

(4) ڈاکٹر حامد حسین نائب صدر باغبان ایسوسی ایشن بلاک C ڈیرہ غازی خان

(5) طارق ایم ملک شعبۂ نشتر واشاعت باغبان ایسوسی ایشن چارہان نیو مری

(6) احمد نواز خان تاحیات ممبر باغبان ایسوسی ایشن گاؤں گھماواں نوانشہر ایبٹ آباد

عطاء الحق قاسمی

میرے قائدؒ!

ان دنوں وی وی آئی پی زکی سکیورٹی (ناپسندیدہ سہی) مگر ایک ناگزیر ضرورت بن چکی ہے تاہم ایک زمانے میں میرا اور آپ کا پاکستان نیز ہمارے قائد کیسے تھے؟ اس کا بیان برادرم منیر احمد منیر نے میرے نام اپنے ایک خط میں کیا ہے، ملاحظہ فرمائیں۔

گورنر جنرل قائداعظم محمد علیؒ جناح اور وزیراعظم خان لیاقت علی خان کی گاڑی ٹریفک کے اشاروں کی پابند رہی۔ گورنر جنرل قائداعظمؒ کے ابتدائی تین اے ڈی سیز میں سے ایک جنرل (تب کیپٹن) گل حسن بھی تھے۔ انہوں نے مجھے انٹرویو کے دوران میں بتایا ''شام کے وقت اکثر ہم ملیر جاتے۔ میں ڈرائیور کے ساتھ فرنٹ سیٹ پر بیٹھتا۔ قائداعظمؒ اور محترمہ فاطمہ جناحؒ پچھلی سیٹ پر ہوتے۔ اس وقت اس قسم کی عیاشی کا تصور ہی نہ تھا کہ دس موٹر سائیکل آگے جا رہے ہیں اور دس پیچھے'' یہ واقعہ کئی بار چھپ چکا ہے، آپ نے بھی پڑھا ہوگا۔ پہلی بار میں نے ہی مئی 1980ء کے ''آتش فشاں'' میں جنرل گل حسن کی زبانی شائع کیا تھا کہ قائداعظمؒ ملیر جا رہے تھے۔ راستے میں ریلوے پھاٹک بند تھا۔ گورنر جنرل قائداعظم کی گاڑی رک گئی۔ اے ڈی سی کیپٹن گل حسن نے اتر کر پھاٹک کھلوا دیا، کہ ابھی ٹرین کی آمد میں دیر تھی لیکن قائداعظم نے پھاٹک بند کروا دیا۔ کئی منٹ بعد ٹرین گزری، پھاٹک کھلا پھر بانی پاکستان گورنر جنرل قائداعظم محمد علی جناحؒ کی کار آگے بڑھی اور انہوں نے اے ڈی سی کیپٹن گل حسن کو اس کی وجہ بتائی ''اگر میں ہی ہدایات اور احکامات پر عمل نہیں کرتا تو پھر میں دوسروں سے یہ توقع کیسے کر سکتا ہوں کہ وہ میری ہدایات اور احکامات پر عمل کریں گے جب کہ میں ملک کا سربراہ ہوں'' جب قائداعظم کی کار سکیورٹی کے لاؤلشکر کے بغیر اس ریلوے پھاٹک پر کئی منٹ تک رکی رہی تو کئی پاکستانیوں کو انہیں وش کرنے کا اعزاز حاصل ہوا۔ یہ تفصیل مجھے سابق آئی جی پولیس حاجی حبیب الرحمان مرحوم نے بتائی کہ قیام پاکستان کے بعد وہ کراچی گئے تھے، شاید کسی سگنل کی وجہ سے ٹرین بہت سلو ہو چکی تھی کہ اتنے میں ٹرین میں شور مچ گیا، پھاٹک پر قائداعظمؒ کی گاڑی کھڑی ہے۔ مسافر ڈبوں میں اس طرف کے دریچوں کی طرف ٹپک پڑے اور ہاتھ ہلا ہلا کر قائداعظمؒ کو وش (Wish) کرتے رہے۔

جب قائداعظمؒ کے ڈینٹسٹ ڈاکٹر ولی موراج نے ان سے کہا کہ میری آپ کے ساتھ تین سٹنگز یہاں گورنر جنرل ہاؤس میں ہوں گی۔ پانچویں اور چھٹی سٹنگ کے لئے آپ کو میرے کلینک میں آنا ہوگا تو قائداعظم ''بغیر کسی ہاؤ ہو اور سکیورٹی کے دو دفعہ ان کے کلینک گئے۔ کوئی ٹریفک نہ روکی گئی، کوئی باادب باملاحظہ ہوشیار کی صدائیں بلند نہ ہوئیں۔ ہر بار جب لوگوں کو قائداعظمؒ کی وہاں آمد کا پتہ چلا تو ہزاروں کی تعداد میں الیکٹرک ہاؤس صدر کراچی میں واقع وہ ڈاکٹر ولی موراج کے کلینک کے باہر جمع ہو گئے جب قائداعظم فارغ ہو

کر باہر آئے تو ان ہزاروں لوگوں نے انہیں ویلکم کیا۔ اس اور کئی قسم کے بے شمار چشم دید واقعات اردو میں لکھی ہوئی میری کتاب ''دی گریٹ لیڈر'' میں شائع ہو چکے ہیں۔ دی گریٹ لیڈر کی پہلی جلد میں 23 ایسے افراد کے انٹرویوز ہیں جو گورنر جنرل قائداعظم کے ساتھ سرکاری طور پر وابستہ رہے یا ان کے قریب رہے۔ طویل انٹرویو ان کے چیف سکیورٹی آفیسر ایف ڈی انسوٹیا کا ہے جو مذہباً پارسی تھے۔ وہ کہتے ہیں ''وہ پسند نہیں کرتے تھے کہ ان کا سکیورٹی کیا جائے۔ میں نے اپنے سپاہیوں کو حکم دیا تھا کہ وہ درختوں کے پیچھے چھپ کر رہیں کہیں قائداعظمؒ کی ان پر نظر نہ پڑے لیکن جب ان کو سکیورٹی کا کوئی سپاہی نظر پڑتا وہ برا مناتے تھے کہ ان کا سکیورٹی کیوں کیا جا رہا ہے۔ وہ کہتے اگر میری موت کا وقت آن پہنچا تو ایک ہزار سپاہی بھی میری جان نہیں بچا سکیں گے'' اور یہ کہ وہ سکیورٹی مانگتا ہی نہیں تھا لیکن یہ تو ہم سمجھئے کہ زبردستی کرتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ ہمارے کو سکیورٹی کی ضرورت ہی نہیں کیونکہ میں پبلک کا آدمی ہوں۔ سکیورٹی سٹاف کو میری انسٹرکشنز تھیں کہ وہ قائداعظم سے اتنے فاصلے پر رہیں کہ انہیں پتہ نہ پڑے کہ ان کی سکیورٹی ہو رہی ہے''۔ مشرقی پاکستان کے دورے کے دوران ایک روز قائداعظمؒ نے ڈھاکہ شہر میں عوام میں جانے کی خواہش کی۔ سکیورٹی والوں نے آئی جی مشرقی پاکستان (تب مشرقی بنگال) ذاکر حسین سے رابطہ کیا۔ انہوں نے سکیورٹی کلیرنس دینے سے انکار کر دیا۔ اس کے باوجود قائداعظمؒ اپنے ارادے پر اٹل رہے' کہا مجھے آپ کی سکیورٹی کی ضرورت نہیں۔ گاڑی میں بیٹھے اور شہر کے بیچ میں چلے گئے تا حد نگاہ بنگالیوں کے ٹھٹ لگ گئے۔ قائداعظمؒ زندہ باد اور پاکستان زندہ باد کے پرجوش نعروں سے فضا اٹ گئی جہاں سے وہ گزرے پرجوش بنگالی ان کے ساتھ دوڑتے چلے گئے۔ ذاکر حسین مشہدی تحریک قیام پاکستان کے آخری برسوں میں پنجاب پراونشل مسلم لیگ کے آفس سیکرٹری تھے۔ انہوں نے مجھے ایک انٹرویو میں بتایا ''الفنسٹن سٹریٹ (کراچی) پر عمر سنز ٹیلرز تھے۔ بڑے مشہور درزی تھے' دہلی سے آئے تھے میں نے ان کو سوٹ دیا تھا میں جس روز ٹرائی کے لئے وہاں گیا وزیراعظم لیاقت علی خاںؒ بھی وہاں آ گئے۔ انہوں نے مجھے پہچان لیا اور پوچھا کیسے آئے ہو؟ میں نے کہا' میں بزنس کے لئے یورپ جا رہا ہوں' سوٹ کے ٹرائی کے لئے آیا ہوں۔ میں نے پوچھا' آپ کیسے تشریف لائے ہیں؟ کہنے لگے میں بھی ٹرائی کے لئے آیا ہوں' میں ماسکو جا رہا ہوں۔ یہ نومبر 49ء کی بات ہے۔ وزیراعظم پاکستان کے باملاحظہ ہوشیار کی صداؤں کے بغیر ایک عام شہری کی طرح درزی کی دکان پر چلے جانے سے متعلق میرے اگلے سوال کے جواب میں مشہدی صاحب نے کہا ''اس وقت یہ بکواس نہیں تھی' لیاقت علی خان عوامی آدمی تھے''۔

میں نے آئی سی ایس آغا عبدالحمید سے ایک طویل انٹرویو کر رکھا ہے۔ اپنی طویل اور اہم دوران ملازمت میں وہ وزیراعظم لیاقت علی خاں کے پرائیویٹ سیکرٹری بھی رہے۔ ان کا کہنا تھا ایک روز وزیراعظم لیاقت علی خان نے مجھے بتایا انقلابات زمانہ ہیں کہ آج چوک میں میری گاڑی رکی جو گاڑی میرے برابر آ کے رکی' میں نے دیکھا اس میں وہ شخص بیٹھا ہے' جو دہلی میں چھابڑی لگایا کرتا تھا''۔

قائداعظمؒ اور لیاقت علی خان تو عظیم لوگ تھے۔ لوگوں نے آمر مطلق سکندر مرزا کی گاڑی بھی ٹریفک اشارے پر رکی دیکھی۔

☆.....☆.....☆

جنوری 2014ء سے

ماہنامہ طلوعِ اسلام کی قیمت =/40 روپے فی پرچہ کی جارہی ہے

براہِ کرم سن 2014ء میں قارئین مندرجہ ذیل حساب سے قیمت ادا فرمائیں

اندرون ملک فی پرچہ =/40روپے سالانہ =/450روپے

بیرون ملک سالانہ -/2500روپے

ہماری کوشش رہتی ہے کہ طلوع اسلام کو خوب سے خوب تر کیا جائے جس کا اندازہ آپ کو بھی ہوگا۔ 2014ء میں ہمارے زیادہ تر مضامین کے مخاطب جدید تعلیم یافتہ نوجوان ہوں گے اس لیے سن 2014ء کا سال ہم نوجوانوں کے نام منسوب کررہے ہیں۔

طلوع اسلام ایک تحریک ہے اور قرآنی نظامِ ربوبیت کا پیامبر بھی، ''تم اللہ کے لیے اکیلے اکیلے اور دو دو کر کے کھڑے ہو جاؤ پھر سوچو (34:46)''، اس ہدایت کی روشنی میں ہم اپنے قارئین دوستوں سے یہ کہنا چاہیں گے کہ وہ ہر ماہ ''طلوع اسلام'' کے 2 رسالے ضرور خریدیں۔ ایک اپنے لیے اور دوسرا اپنے کسی دوست یا عزیز کے لیے۔ طلوع اسلام چندہ وغیرہ مانگنے کا قائل نہیں ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے اس حکم کے مطابق کہ نیکی کے کاموں میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرو، آپ کا کم از کم تعاون اتنا ہوگا کہ آپ کو دو رسالے خریدنے ہوں گے۔ آپ کے اس تعاون کی وجہ سے ہمارے لیے ممکن ہوگا کہ فروری 2014ء سے ہم تعلیمی اداروں، پبلک لائبریریز اور ریڈنگ رومز کو کم از کم دو شمارے اعزازی طور پر یعنی کوئی قیمت لیے بغیر ہر ماہ دیا کریں۔ اس کام میں ہمارے ساتھ تعاون کیجئے۔ وما توفیقی الا باللہ۔

ہماری درخواست پر محترم عبدالخالق کھوکھر صاحب نے مبلغ پچاس ہزار روپے عطیہ کئے ہیں۔ محترم عبدالخالق صاحب 1960ء سے فکرِ قرآنی سے متمسک ہیں۔ ادارہ ان کا تہہِ دل سے شکر گذار ہے۔

ادارہ طلوعِ اسلام

بنک اکاؤنٹ کی تفصیلات درجِ ذیل ہیں:

بنک اکاؤنٹ نمبر 7-3082 نیشنل بنک آف پاکستان، مین مارکیٹ، گلبرگ برانچ کوڈ (0465)۔ لاہور

کاشف راز

تھوڑے سے لوگ
(MINORITY)

اللہ کی ہدایت، قرآن ہر ایک کے لئے ہے لیکن یہ انسانوں کی بدنصیبی ہے کہ عام طور پر یہ اکثر غلط چیزوں کو پسند کرتے ہیں اور صحیح راستے پر چلنا ان کو اچھا نہیں لگتا۔ انسانوں کو مجبور اور بے بس نہیں پیدا کیا گیا، جس قسم کے چاہے عقائد و نظریات اپنا لیں، لیکن کم لوگ ہوتے ہیں جو ابتداءً، عبوری دور میں قرآن کے مطابق زندگی گزارتے ہیں۔ جب قرآنی نظام کے خدوخال مشتکل و مشہود ہونا شروع ہوتے ہیں تو پھر یہی لوگ جوق در جوق (افواجاً) اس کا حصہ بنتے چلے جاتے ہیں۔ قرآن کے طالب علموں کی دلچسپی کے لئے ذیل میں وہ آیات درج کی جارہی ہیں جس میں قلیل لوگوں کا کسی نہ کسی پہلو سے ذکر آیا ہے۔

1۔ بہت کم لوگ ہیں جو ایمان لاتے ہیں۔ (البقرہ: 88)

2۔ وہ اللہ ہی تو ہے جس نے تم کو پیدا کیا اور تمہارے کان آنکھیں اور دل (MIND) بنائے لیکن بہت تھوڑے سے لوگ ہیں جو شکر گزار ہیں (الملک:23، المومنون:78 اور السجدہ : 9-7)

3۔ اللہ نے زمین میں انسان کا ٹھکانہ بنایا اور اس میں سامان معیشت پیدا کئے مگر بہت تھوڑے لوگ ہیں جو شکر ادا کرتے ہیں (الاعراف: 10)

4۔ شیطان نے کہا تھوڑے سے لوگوں کے سوا (جو کہ تیرے مخلص بندے ہوں گے) تمام لوگوں کی جڑیں کاٹتا رہوں گا (بنی اسرائیل: 62)

5۔ اندھا اور آنکھ والا برابر نہیں، اور ایمان لانے والے جو اعمال صالحہ کرتے ہیں وہ اور جو بدکار ہیں یہ دونوں بھی ایک جیسے نہیں ہیں۔ (حقیقت یہ ہے کہ) تم بہت کم غور کرتے ہو (المومن: 58)

6۔ یہ (قرآن) فرشتہ عالی مقام کی زبان کا پیغام ہے اور کسی شاعر کا کلام نہیں مگر تم لوگ بہت ہی کم ایمان لاتے ہو اور نہ یہ کسی کاہن کے مزخرفات ہیں لیکن تم لوگ بہت ہی کم فکر کرتے ہو۔ (الحاقہ : 40,41,42)

7۔ (اے رسول ان کو میری طرف سے پوچھو کہ)

i۔ بھلا وہ کون ہے جو بے قرار کی التجا قبول کرتا ہے؟ جب وہ اس سے دعا کرتا ہے اور

ii۔ کون اس کی تکلیف کو دور کرتا ہے؟ اور

iii۔ وہ کون ہے جو تم کو زمین پر خلیفہ بناتا ہے؟ (یعنی تم کو اقتدار، حکومت اور مملکت عطا کرتا ہے یقیناً)

iv۔ یہ سب کچھ اللہ کرتا ہے تو کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور بھی ہے؟ مگر (تم لوگوں میں) بہت تھوڑے لوگ ہیں جو اس (حقیقت) پر غور کرتے ہیں (کہ اللہ ہی اپنے قوانین کے مطابق بے قراروں کو قرار عطا کرتا ہے) (النمل: 62)

8۔ اللہ نے تمہارے کان، آنکھیں اور دل بنائے (مگر) تم بہت کم شکر کرتے ہو (السجدہ: 9)

9۔ قرآن ایمان والوں کے لئے نصیحت ہے لیکن بہت کم لوگ ہیں جو نصیحت قبول کرتے ہیں (الاعراف: 3)

☆.....☆.....☆

تعزیت

محترم عبدالغفور محسن رُکن بزم طلوع اسلام کوئٹہ کے اس دارِفانی سے انتقال فرمانے کی دل خراش خبر سے آگاہی ہوئی۔ انتہائی دُکھ ہوا۔ اللہ مرحوم و مغفور کو اپنے جوارِ رحمت میں جگہ عطا فرمائے۔

ورثاء و احباب و اقارب کو صبر جمیل سے نوازے۔ زندگی ایک جوئے رواں ہے، سب نے جانا ہے مگر خوش قسمت ہیں وہ لوگ جو اپنی ذات کی نشوونما کر کے اپنے رب کے حضور پیش ہوں۔

سوات کی تینوں بزموں کے نمائندگان غم میں برابر کے شریک ہیں۔

خورشید انور

نمائندہ بزم طلوع اسلام مینگورہ

وائس چیئرمین ادارہ طلوع اسلام

پاکستان میں
غلام احمد پرویز علیہ الرحمتہ
کا درس قرآن کریم مندرجہ ذیل منظور شدہ مقامات پر ہوتا ہے

نوٹ: نمائندگان محترم سے التماس ہے کہ ایڈریس یا اوقاتِ درس میں تبدیلی کی صورت میں ادارہ کو فی الفور مطلع فرمائیں۔

شہر	مقام	دن	وقت
ایبٹ آباد	234-KL کیہال۔ رابطہ محمد احمد نواز خان۔ فون: 0992-334699۔ موبائل: 0314-5035285	بروز اتوار	11AM
اسلام آباد	مکان نمبر 302۔ اسٹریٹ نمبر 57۔ سیکٹر F-11/4۔ رابطہ ڈاکٹر انعام الحق۔ فون: 051-2290900		
اوکاڑہ	بر مکان احمد علی، بیت الحمد 4-AB-180، ابوبکر بلاک شادمان کالونی، ایم۔اے جناح روڈ، نزد مبارک مسجد رابطہ میاں احمد علی: 0442-527325، موبائل: 0321-7082673	بروز جمعہ	3PM
بونیر	حجرہ حفیظ الرحمٰن۔ کس کورونہ۔ طوطالئی۔ ضلع بونیر۔ رابطہ قاسم خان: 0314-9911900 رابطہ حفیظ الرحمٰن: 0314-9508409 - 0313-9471294	ہر ماہ پہلا اتوار	صبح 9 بجے
پنج کسی	بر مطب حکیم احمد دین۔ رابطہ ڈاکٹر محمد سلیم قمر۔ تحصیل کبیر والا	بروز جمعہ	3PM
پنڈ دادن خان	رابطہ محمد نذیر۔ بمقام وڈاک خانہ روال نزد غریب وال سیمنٹ فیکٹری، تحصیل پنڈ دادن خان ضلع جہلم فون نمبر: 0346-6450130	ہر بدھ اور اتوار	بعد نماز عشاء
چوٹی زیریں	بر دوکان لغاری برادرز زرعی سروس، ڈیرہ غازی خان۔ رابطہ: ارشاد احمد لغاری۔ موبائل: 0331-8601520	ہر ماہ پہلا اتوار	12 بجے دن
چنیوٹ	W-11/9، گوجر چوک (گنبد والی کوٹھی) سیٹلائیٹ ٹاؤن۔ رابطہ: چوہدری دلمیر خان، فون: 047-6331440-6334433، موبائل نمبر: 0321-7704564	بروز جمعہ	بعد نماز جمعہ
حیدرآباد (قاسم آباد)	محترم ایاز حسین انصاری، B-12، حیدرآباد ٹاؤن، فیز نمبر 2، قاسم آباد بالمقابل نسیم نگر آخری بس سٹاپ۔ رابطہ موبائل: 0336-3080355	بروز جمعہ	بعد نماز عصر
راولپنڈی	فرسٹ فلور، کمرہ نمبر 114، فیضان پلازہ۔ کمیٹی چوک۔	بروز جمعہ	4PM
	رابطہ ملک محمد سلیم ایڈووکیٹ، موبائل: 0331-5035964	بروز اتوار	4PM
راولپنڈی	بر مکان امجد محمود، مکان نمبر 14/A، گلی نمبر 4، راہ طلوع اسلام، جنجوعہ ٹاؤن، اڈیالہ روڈ، نزد جراہی سٹاپ، راولپنڈی۔ رابطہ: رہائش: 051-5573299، موبائل: 0322-5081985	بروز اتوار	10AM
خان پور	بمقام مکان حبیب الرحمان، محلہ نظام آباد وارڈ نمبر 9 خان پور، ضلع رحیم یار خان رابطہ: نمائندہ حبیب الرحمٰن۔ فون نمبر گھر: 068-5575696، دفتر: 068-5577839		

سیالکوٹ	معرفت کمپیوٹرسٹی، سٹی ہاؤس، سٹی سٹریٹ، شہاب پورہ روڈ، رابطہ: محمد حنیف، 03007158446۔ محمد طاہر بٹ، 0300-8611410۔ محمد آصف مغل 0333-8616286۔ سٹی ہاؤس 052-3256700	ہر دوسرے اتوار 5PM
سرگودھا	B-4، گلی نمبر 7، بلاک 21، نزد مکی مسجد چاندنی چوک، رابطہ۔ ملک محمد اقبال۔ فون: 048-711233	بروز منگل 7PM
فیصل آباد	رحمان نور سینٹر، فرسٹ فلور، مین ڈگلس پورہ بازار، رابطہ: محمد عقیل حیدر، موبائل: 0313-7645065	بروز جمعہ 4PM
کراچی	A-446 کوہِ نور سنٹر، عبداللہ ہارون روڈ، رابطہ محمد اقبال۔ فون: 021-35892083، موبائل: 0300-2275702	بروز اتوار 10AM
کراچی	ڈبل اسٹوری نمبر 16، گلشن مارکیٹ، کورنگی نمبر 5، ایریا 36/C، پوسٹ کوڈ 74900 رابطہ: محمد سرور۔ فون نمبرز: 021-35031379-35046409، موبائل: 0321-2272149	بروز اتوار 2PM
کراچی	نالج اینڈ ویزڈم سنٹر، سلمان ٹاورز، آفس نمبر A-45، بالمقابل نادرا آفس، ملیر سٹی۔ رابطہ: آصف جلیل فون: 021-35421511، موبائل: 0333-2121992، محمود الحسن۔ فون: 021-35407331	بروز اتوار 11AM
کوئٹہ	صابر ہومیو فارمیسی توغی روڈ۔ رابطہ ڈاکٹر غلام صابر، فون: 081-2825736، موبائل 0333-7937101	بروز اتوار 4PM
گوجرانوالہ	شوکت نرسری، گل روڈ، سول لائنز۔ رابطہ چوہدری تسنیم شوکت، موبائل: 0345-6507011	بروز جمعہ بعد نماز عصر
لاہور	B-25، گلبرگ 2، (نزد مین مارکیٹ، مسجد روڈ)۔ رابطہ فون نمبر: 042-35714546	بروز اتوار 9:30AM
لاڑکانہ	مکان نمبر 1582 پرانا عیدگاہ روڈ نزد قاسمیہ مسجد محلّہ جاڑل شاہ، رابطہ سکندر علی عباسی، فون: 074-4042714، اللہ بخش شیخ، موبائل: 0333-7542644	بروز جمعہ بعد نماز مغرب
منڈی۔۔ بہاؤالدین	رابطہ: خان محمد (وڈیو کیسٹ) بر مکان ماسٹر خان محمد گلی نمبر 1، محلّہ صوفی پورہ۔ فون نمبر: 0456-520969 موبائل نمبر: 0334-4907242	بروز جمعہ 10 AM
نواں کلی، صوابی	رابطہ ہومیو ڈاکٹر ایم۔ فاروق، محلّہ خدر خیل۔ فون نمبر:	بروز اتوار 10 AM
صوابی	بمقام چار باغ، (حجرہ ریاض الامین صاحب)، (رابطہ: وکیل زادہ انچارج یوٹیلیٹی سٹورز، مردان روڈ، صوابی) فون نمبر: 223309 (0938)	بروز اتوار 3 PM
ملتان	بر مکان مظہر حیات۔ نزد مین گیٹ خواجہ فرید سوشل سیکوریٹی ہسپتال وہاڑی روڈ۔ ملتان۔ رابطہ شان الٰہی مظہر، موبائل: 0300-4469722	ہر اتوار سہ پہر 3 بجے
مینگورہ۔ سوات	رابطہ۔ خورشید انور۔ خالد پلازہ حاجی شمس الحق۔ نشاط چوک۔ مینگورہ ضلع سوات۔ فون 0315-9317755	ہر ماہ پہلے جمعہ کو 2PM
علی گرام۔ سوات	رابطہ محمد ظاہر شاہ خان۔ علی گرام۔ تحصیل کبل ضلع سوات۔ فون: 0346-9467559	ہر اتوار 8:30AM
فتح پور۔ سوات	فتح پور، سوات، رابطہ: خورشید انور، فون: 0946600277، موبائل: 0315-9317755 امیر زیب خان۔ موبائل: 0344-9893235	ہر اتوار 3PM

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

شرحِ جاوید نامہ شائع ہوگئی!

مفکرِ قرآن غلام احمد پرویز علیہ الرحمتہ کے لیکچرز کی تحریر پر مشتمل اپنے انداز کی منفرد شرح جاوید نامہ شائع ہوگئی ہے۔ بڑے سائز کے 800 صفحات پر مشتمل اِس یکتائے روزگار شرح کی قیمت صرف ایک ہزار روپے ہے۔ ''جاوید نامہ'' کیا ہے اس کے متعلق پرویز علیہ الرحمتہ کی زبانی خود ملاحظہ فرمایئے:۔

''علامہ اقبالؒ کی فارسی کی کتاب ہے ''جاوید نامہ''۔ اگر آپ نوجوانوں کو اسلام کی تعلیم دینا چاہتے ہیں تو میں یہ عرض کروں گا' مبالغے کی بات نہیں ہے' یہ ایک کتاب ''جاوید نامہ'' پڑھا دیجئے لیکن اس کے پڑھانے کے لیے ایسے لوگوں کی یا ایسے شخص کی ضرورت ہوگی جو علومِ حاضرہ کے اوپر پوری دسترس رکھتا ہو۔ یہ بڑی جامع کتاب ہے اور میں سمجھتا ہوں یہ اقبالؒ کی فکر کا شاہکار ہے۔ تاریخ عالم پہ نگاہ' مذاہبِ عالم پہ نگاہ' سارے فلسفے کے اوپر نگاہ' الٰہیات کے اوپر نگاہ' سوشیالوجی کے اوپر نگاہ' تمدن کے اوپر نگاہ' نظام کے اوپر نگاہ' سب سے بڑی یہ چیز کہ قرآن کی گہرائیوں کے اوپر بڑی نگاہ۔ اگر کہیں یہ چیز نصاب کی اس انداز سے سامنے آئے پھر آپ دیکھئے گا کہ انہی نوجوانوں کی ذہنیت کیسے بنتی ہے اور کیا بنتی ہے۔ یہ جو چیز ہے کہ کوئی دوسری قوم آئے گی۔ بڑا حسین انداز ہے۔ اقبال کے الفاظ ہیں وہ اس انداز سے بات شروع کرتا ہے کہ یہ نظام آیا تو ملوکیت بھی گئی اور یہ پاپائیت بھی گئی اور سرمایہ داری بھی گئی یہ سب چیزیں انہوں نے اُڑا دیں۔ میرے دل کے اندر جو بات چھپی ہوئی ہے آج میں اسے بے نقاب کہہ دینا چاہتا ہوں۔ الفاظ نہیں مل رہے یہ کہنے کے لیے کہ میں کیا کہوں کہ یہ قرآن ہے کیا' یہ کتاب تو نہیں کچھ اور ہی ہے۔ اس کی کیفیت یہ ہے کہ جب جان کے اندر کسی کے یہ اتر جاتی ہے تو جان بدل جاتی ہے اور جب جان بدل جاتی ہے تو دنیا بدل جاتی ہے''۔

(بحوالہ دروس القرآن سورۃ المائدہ آیات 51 تا 56)

منگوانے کا پتہ

ادارہ طلوعِ اسلام 25-B گلبرگ 2، لاہور۔54660، پاکستان

فون: 042-35714546 Idara@toluislam.com

Surah *Al-Muddaththir* (الْمُدَّثِّرُ) – Durus-al-Qur'an Parah 29: Chapter 22

By G. A. Parwez

(Translated by: Dr. Mansoor Alam)

My dear friends! Today is March 2, 1984 and today's lecture starts with verse 33 of Surah *Al-Muddaththir* (الْمُدَّثِّرُ).

The divine system of life presented by the Quran is a guiding light for future generations

Dear friends! I had mentioned in the last lecture that Quran told its enemies, the Quresh, that result of their wrong system *will* be doom and destruction. The word that has come for this "doom and destruction" in the Quran is عَذَابِ. I had also mentioned that the moment this word عَذَابِ comes in the Quran our attention shifts to the punishment of the Hereafter. We all have to believe in The Day of Judgment, the Hereafter, and their details given in the Quran. But it is not the case that the result of a wrong system will only come out in the Hereafter; they also come out in this world. The result of a wrong system that appears in this world serves as a reminder that any nation which establishes a wrong system its end will also be doom and destruction, just like it happened to past nations. When the Quran describes the stories of past nations it always emphasizes that these were not mere random historical events but nations' destructions and ruins were the results of wrong systems they followed. And these past historical accounts serve as lesson and reminder for future generations. The Quresh used to pass by these ruins in their caravans and used to talk about them in their discourses. Referring to some ruin they will normally say that this is a ruin of such and such a nation in such and such a time; but the Quran points out that this is the result of it following a wrong system. The Quran gives examples of the people of Noah, the people of Aad, the people of Thamud, the people of Madyan, the people of Pharaoh, the people of Moses – and tells that they were ruined because they had established wrong systems of life. And it reminds and warns people not to establish a wrong system of life because the result would be the same as had happened to past nations that established wrong systems. These were not due to some random or emergency events. These were the results of the universal law of requital. This law is applicable to all places and all times in this world itself: right system will produce

good results and wrong system will produce bad results. The entire formula of *Deen* rests on the foundation provided by the *law of requital*.

The difference between the punishment from outside and natural result of wrong action

Dear friends! We have this wrong concept of punishment that God personally punishes nations practicing wrong systems. One type of punishment is extrinsic like what is done by courts through legal system. But all this happens from outside. However, the punishment meted out through the law of requital is intrinsic: the law starts acting as soon as the action is performed. For example, the result of ingesting poison does not come from outside but is inherent in its nature itself. There is no interference from outside. It does not make any difference whether the poison is swallowed in public or in private; or whether someone is watching or not. The result is going to be the same. The Quran's عَذَابِ is similar in nature: the destruction is built into the wrong action.

The use allegorical meaning of عَذَابِ as it relates to worldly life of Hell

My dear friends! The Quran emphasizes again and again that the history of destruction of past nations is not mere historical accidents but the result of their wrong systems of life. It presents these destructions as evidence of the working of the law of requital in the real world: The future life of a nation is dictated by the type of the life-system it practices. It will be good and heavenly if the system is based on fairness and justice for all. If the system is unfair and unjust then its result will be destruction as it happened in the past and the life of the people until that doom and destruction comes will be a life of عَذَابِ; it will be a life that reduces everything to ashes. This is the metaphorical meaning of the word عَذَابِ. If one were to look beneath the surface then it would become manifest that, indeed, people would be going through a hellish life here, in this world. It is as if they were engulfed in hellfire from all sides.

The sorry state of all nations right now

Dear friends! All nations of the world today are engulfed in عَذَابِ. No one feels peaceful. All the peoples of the world are suffering so much of this hellish life that they have no choice but to appeal to God for peace and protection. And Muslims are suffering dual slavery: their rulers are slaves to superpowers and the people are

slaves to their rulers – no matter the claims of sovereignty from our governments. Their sovereignty is nothing but a joke. The kind of عَذَابِ we are suffering under has been brought about by our leaders who are captive to other powers and to their own self-interests. Those who follow the Quran should not live their life as everyone else under status quo but must stand up and challenge these vested groups responsible for this devastating عَذَابِ. The Muslim Ummah must not leave this عَذَابِ up to the Hereafter. As I said it is our lack of Iman in the law of requital that lets these wrong systems to get entrenched; and lets crimes and criminals to flourish. My dear friends! The crux of the Quran's teaching is that the life outcome will be in accordance with the type of life system that is established.

Prophet's clash with the Quresh and its outcome

The Quresh were enjoying special elite status among the Arabs. The Prophet (PBUH) was constantly reminding them about the wrong system they had established that preserved and promoted their elitism and privilege. He kept warning them that the result of their wrong system will be doom and destruction. This meant that all their privileges that they enjoyed; their elite status; their wealth and power; their custody of Kaba; all these will be gone. The Quresh could not understand this: How could the Prophet (PBUH) threaten the mighty Quresh with dire consequences like these with his small group of people mostly drawn from the lower wrung of the society. *This* the Quresh could never fathom. The Quran's style is that it provides evidence from observable phenomena; from real facts; and proofs based on logic. For this the Quran gave example of the moon: وَالْقَمَرِ (74:32) – the rising of moon at an appointed time and then going through different precise stages. Dear friends! Just imagine what a powerful style of the Quran is!! These few verses that follow comprise of only couple of words each:

كَلَّا وَالْقَمَرِ ; وَاللَّيْلِ إِذْ أَدْبَرَ ; وَالصُّبْحِ إِذَا أَسْفَرَ ; إِنَّهَا لَإِحْدَى الْكُبَرِ ; نَذِيرًا لِّلْبَشَرِ (74:32-36)

My dear friends! Quran's law of requital is real and it operates incessantly on every individual and on every nation. But these people believe that this law is not real and that the warning given about the oncoming revolution is only an empty threat. This is not so. The revolution is a reality which is bound to occur. To provide evidence the Quran asks the Prophet (PBUH) to tell them to look at the discipline and order with which the entire system of the Universe functions according to the divine law. Then ask them to reflect: Is it difficult for the Almighty, whose limitless forces are doing

such wondrous work, to bring about such a revolution? Just look at the moon? كَلَّا وَالْقَمَرِ (74:32) – Its appearance at the proper time and its passage through the various stages. Look at the alternation of day and night? وَاللَّيْلِ إِذْ أَدْبَرَ (74:33) – When the darkness of the night turns into the gleam of dawn. وَالصُّبْحِ إِذَا أَسْفَرَ (74:34) – And look at the appearance of morning with full brilliance. All these changes are living proof of the workings of the divine law of nature. The promised revolution *will* take place according to this law. And this revolution will be one of the greatest events in human history. It will gradually increase in its intensity like the moon and all traces of the darkness of ignorance shall disappear by its light. The truth shall dawn. We hereby warn them that this is bound to happen. Let everyone be aware of it.

The Quran's wisdom, its clarity of expression and its soundness of meaning

My dear friends! If you know little bit of Arabic then you can relish these verses. The style of the Quran is a miracle from the literary point of view as well. Just take the above verses (74:32-36). These are verses comprising of only few words but they rhyme so beautifully. And if one knows their meaning then one feels very ecstatic. One can say: How could this first moon remove the darkness of the night? The Quran says that okay it is the case that in the first few nights the moon looks more like a fine line. But don't you observe how it becomes full glowing moon progressively very soon? The same way this small group comprising of the Prophet (PBUH) and his companions spreading its light progressively has reached this stage. Look at the night? Its darkness disappears as the moon rises. The Quran says that in the same way the evil forces of darkness will disappear by the spreading light of this small group grounded in justice and fairness.

Dear friends! Let me mention an important point here. In the verses وَاللَّيْلِ إِذْ أَدْبَرَ (74:33) and وَالصُّبْحِ إِذَا أَسْفَرَ (74:34) the words "إِذْ" and "إِذَا" both mean "when" but in Arabic there is a fine difference: The word "إِذْ" is used when things happened in the past, e.g., when the night was over then darkness disappeared. But the word "إِذَا" is used when some future event happens suddenly, e.g., when the morning appears after the night or when someone suddenly lifts the veil from the face. What to say of this language and what to say of the Quran's use of words of this language, my dear friends?! How the new born moon is like a fine thin line initially and then it gradually increases in size and, consequently, the darkness of the night slowly reduces. But when the morning lifts the veil from its face then suddenly the entire world starts shining:

From the sunshine the dark night will disappear ultimately

From the song of Tauhid this world will resonate ultimately

This is وَالَّيْلِ اِذْ اَدْبَرَ (74:33); وَالصُّبْحِ اِذَآ اَسْفَرَ (74:34).

The Quranic meaning of إِحْدَى **and** كُبَر

Dear friends! After this the Quran says: اِنَّهَا لَاِحْدَى الْكُبَرِ (74:35) – this event that you are being forewarned *will* come. Although the word أَحَدٌ means one but here the word إِحْدَى has come which means "unique event that has no parallel." Already there is uniqueness in the meaning of إِحْدَى but then the Quran further says that this event will be the greatest: الْكُبَر means such an extreme event that has no parallel in history in its intensity. It is a miracle that the Quran captures all this in just two words: لَاِحْدَى الْكُبَرِ. The Quresh are being told that this is what is going to happen to you – Those Quresh who were at the top of the Arab society; who were the custodians of Kaba; whose business caravans were running day and night completely protected; who enjoyed unmatched racial superiority and had the biggest tribe among the Arabs. *These* were the Quresh. And in their opposition were these few refugees who had fled from their homes and had sought asylum in Medina. They had no resources to fight the Quresh. *This* was their condition: insignificant as dust but claiming to build a new society? However, اِنَّهَا لَاِحْدَى الْكُبَرِ (74:35) – surely this great event that the Quresh were being forewarned *will* come without any parallel in history. But the question is: Why was this being done? The answer: نَذِيْرًا لِّلْبَشَرِ (74:36) – This was being done in order to warn human beings. Let everyone be aware of it.

Quran's warning to entire humanity

Dear friends! As I mentioned, this is not to scare people but to make them aware and warn them about the consequences of the wrong system. These consequences happen regardless of time and place. The next verse talks about what the objective is of this universal system (i.e., this system of *Deen*); what method is to be used for propagating this light and guidance; and what process should be followed for establishing this true system. As I have said the teaching of the Quran is not for a particular person or for a particular nation. It *is* about *Life* itself. It tells that Life *will* advance ahead through progressive evolutionary steps regardless of the barriers (of wrong systems) it encounters in its way.

Identifying the idea of evolution 1400 years ago

My dear friends! This evolutionary process that the Quran mentions starts with a single cell it calls نَفْسٍ وَاحِدَةٍ . In this age credit has been given to scientists for advancing the theory of evolution. But the Quran told 1400 years ago that *Life* started with a single cell and then it proceeded further through different stages. In this process of evolution any life species that is able to acquire enough strength advances to the next stage of evolution, which the Quran describes by just two words: فَمُسْتَقَرٌّ وَّمُسْتَوْدَعٌ (6:98). Life stays in a stage and tries to develop its abilities. If it acquires enough strength then it is able to advance to the next stage of the evolutionary process with better ability and strength. Life, through these slow and long evolutionary stages, reached the human form. Those life species that do not acquire enough strength remain either stuck at a certain stage, or they become extinct. I do not want to digress from my main topic, otherwise I would have presented how new scientific research from the theory of evolution supports this Quranic view of Life's evolutionary process of فَمُسْتَقَرٌّ وَّمُسْتَوْدَعٌ (6:98). The Quran uses the word "جَحِيم" for getting stuck and not progressing further. It also uses the word "جَهَنَّمَ". This law of evolution occurs at the physical level as well as at the human level according to the Quran.

It is okay that the human form got created by evolution. But there is a difference between human and human. The caveman and the modern man, although both are humans, but there is tremendous difference between them. Those having been to the moon and those living in the jungles of Africa, Australia, or Brazil – although they will all be called humans but, nevertheless, they are not the same humans.

Human evolution at the level of humankind

Dear friends! According to the Quran the same law of evolution that works at the biological level also works at humankind level. The system established based on the permanent values of the Quran will lift humankind to higher and higher levels. On the other hand, a wrong system based on unfair and unjust values will keep humankind stuck at one level, and eventually will degrade humankind and will lead to its extinction. This is the core of the Quran's teaching: that Life (at the level of humankind) moves forward – either to higher and higher levels if it goes along the path laid down by the Quran, or it moves downward to lower and lower levels and it eventually self-destructs itself if it goes against the Quran.

The confrontation that was going on between the Prophet (PBUH) and the Quresh – the Quran says that there is a lesson and a warning in it for the entire humankind: نَذِيرًا لِّلْبَشَرِ (74:36). Then the Quran says further that whoever wants to move forward let him choose that; and whoever wants not to move backward let him choose that: لِمَن شَاءَ مِنكُمْ أَن يَتَقَدَّمَ أَوْ يَتَأَخَّرَ (74:37) – To any of you that chooses to press forward let him do that; or let him choose to fall behind. This is the teaching of the Quran; this is the system of the Quran. The whole description of punishment; of hell; of suffering – all these are told by the Quran in terms of allegories and metaphors.

I had mentioned that the meaning of جَهَنَّمَ in the Quran is: "The place where the humankind is burnt." What happens there? In the Quran the word جَحِيم has come for that; which means to get stuck. That is right. The humankind has to move forward and keep on moving. The Quran says that those who are: وَالسَّابِقُونَ السَّابِقُونَ (56:10) – they are ahead of others in the struggle of life. The Quran always talks about those choosing to move forward and those who choose to remain behind in the struggle of life. There are many nations in the world among which there are some that are called superpowers. What are these superpowers? These are those which have advanced more than others. Nowadays we describe them as developed, developing, and under-developed nations.

Today's Muslims are not even at human level

My dear friends! There is a very tangible standard by which to judge where Muslims stand in the community of nations: It is the touchstone of the Quran. Where do we Muslims stand in the world today? It is not difficult to judge for ourselves as to where we stand in relation to other nations today. If we are behind in the ranks of the community of nations then it means only one thing; that the system under which we are living is not right according to the Quran. A right system would be able to help humans to move forward and not be left behind. If we were advanced then we could say that we are on the right track. But this would be only at the physical level. After this physical advancement has been achieved, only then the status at the humankind level comes into picture. We, on the other hand, are at the very end of the line even at the physical level.

Dear friends! We translate the word "اِثْمَ" as sin but we do not understand what this means. The root meaning of "اِثْمَ" is: those things that make a human so tired that he is not able to keep up with the rest. A she-camel that is tired and cannot keep up with the

rest of the caravan due to weakness is called الا ثمُہٗ.

Dear friends! This matter of being left behind or advancing ahead is both at the level of physical life as well as at the level of humankind. But when we compare at just the physical level we see that some nations have reached the moon and have designed machines that fly faster than the speed of sound whereas in our nation even the trains do not travel on time. But, from where can we find an example that is available at the humankind level?!

Every life system creates its own outcome

My dear friends! The Quran says: لِمَنْ شَآءَ مِنْكُمْ اَنْ يَّتَقَدَّمَ اَوْ يَتَاَخَّرَ (74:37) – Here, all matters are decided according to the law of requital. The rise and fall of nations as well as the success and failure of individuals are due to their own deeds. Whosoever amongst us chooses to, can either move forward or lag behind. This is not a punishment imposed from outside. This is the result of following a particular system of life. The Quran further says: كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ رَهِيْنَةٌ (74:38) – Remember! Everyone is bound by his own deeds, and the calamities that befall him are due to his own erroneous deeds. This is how wrong-doers suffer the consequences. They mortgage their future with their own hands. They chain themselves with their own deeds. How can they move forward then?

Wrong interpretation of riba (رِّبٰوا) has changed the economic system of the Quran

My dear friends! What you call "*Shariah*" has allowed riba (رِّبٰوا) by creating its own interpretation. In this "*Shariah*" there is something called collateral or رہن? Suppose someone comes to a person and asks for a loan. That person says that since riba (رِّبٰوا) is illegal (*haraam*) I cannot charge you interest (even 1%) on the loan as it will be like eating pork? But there is a way around it using رہن (root of رَهِيْنَةٌ). The lender says: I will keep your 2 acre land as collateral (رہن) against the money I will give you. With this approach the lender can keep the entire crop and its earning from the land as long as the person is not able to pay that loan. This is perfectly legal and *halaal* according to the "*Shariah*". Never mind that the lender may be getting many more times the money he has loaned but this is not considered riba (رِّبٰوا) but collateral or رہن. This is كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ رَهِيْنَةٌ (74:38). As long as he does not pay back the capital that رہن will be held by the lender and all the earning from it will be as *halaal* as mother's milk. This is not *haraam* according to the *Shariah* because this is رہن not رِّبٰوا!

As I said the proponents of this *Shariah* created a loophole: they have given names like "profit" or مشارقت or بتمضار to get around رِّبٰوا which is what they are. At least the non-Muslims are honest in calling it رِّبٰوا. No wonder the Quran said كُلُّ نَفْسٍۢ بِمَا كَسَبَتْ رَهِيْنَةٌ (74:38) – Everyone is tied to his own shackles, and his troubles are due to his own erroneous deeds. But those with good deeds will not be in trouble: مَا سَلَكَكُمْ فِيْ سَقَرَ ; اِلَّآ اَصْحٰبَ الْيَمِيْنِ ; فِيْ جَنّٰتٍ ۛ يَتَسَآءَلُوْنَ ; عَنِ الْمُجْرِمِيْنَ (74:39-42) – But the people who are on the right track will not be involved in calamities. Due to their noble deeds they shall abide among the pleasures of heaven. They will ask the guilty ones, "What brought you to this hell? What were the crimes for which you were suffering?"

Dear friends! If you remember we started with "سَقَر": The representative of the Quresh had left the Prophet (PBUH) mocking and huffing and puffing with hubris. The Quresh felt that nothing could shake them. But it did happen and they were in shock: سَاُصْلِيْهِ سَقَرَ (74:26) – And soon the hell was there in front of them. What brought them to the hell? The Quran provides their answer:

وَقَالُوْا لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ اَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِيْٓ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ (67:10) – Truly we did not utilize our intellect and ability to think; and we opposed him (the Prophet) out of sheer prejudice and stubbornness. Had we listened to him attentively and used our intellect, we would not be in this hell. Only those who do not use their intellect go to hell (7:179).

The basic reason for being in hell: we were not among the مُصَلّينَ

Dear friends! Something else came here. The question was: يَتَسَآءَلُوْنَ (74:40) – "Why did you come to hell?" They answer: قَالُوْا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّيْنَ (74:43) – They will say, "Our crime was that we did not join those who established the system of *Salah*." Normally, مُصَلّينَ is translated as نمازی (*Namazi*). But my dear friends! There is no equivalent word or term that can provide the meaning of the Arabic word صلاتہ. This has a very deep meaning.

The meanings of Quranic terms have to be determined from the Quran itself

My dear friends! صلاتہ is a very comprehensive term of the Quran. When we determine its meaning from the Quran then we know that it is system or order. The word "establish" fits very well with this meaning. This is a *system* that we have to *establish*. This cannot be treated as a routine mechanical prayer that we associate with this term. The word مُصَلّينَ in this sense has come at three places in the Quran: 1) in this verse under discussion (74:43). The question was: What was their fault for not

being counted among مُصَلّینَ? They themselves provide the answer: وَلَمْ نَكُ نُطْعِمُ الْمِسْكِيْنَ (74:44) – We did not provide means of sustenance to the poor, the indigent, the needy, or the physically handicapped. Just think about it my friends! It is not that I am criticizing the prayer. That is an obligation. But the Quran has described the goal of this obligation also; and that too in their own words: "We did not fulfill our duty to provide for those who could not provide for themselves – that is, we were not among the مُصَلّینَ." This is one place where مُصَلّینَ has come.

The second place it has come is in verse (70:22). The hell is calling some people. Whom is it calling? It is calling those who hoard wealth and keep it tightly closed: وَجَمَعَ فَأَوْعٰى (70:18). But who are those who do not behave like this? اِلَّا الْمُصَلِّيْنَ (70:22) – the مُصَلّینَ do not do it.

In the entire Quran اقامت صلاتہ and ایتا ے زکات have come together. These have been replaced by نماز and giving two and half percent from wealth that can be acquired without any limits. But these are not the مُصَلّینَ – and hell is calling them. مُصَلّینَ, instead, are those who establish the system of صلاتہ (Salah) permanently: الَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ دَآئِمُوْنَ (70:23) – Instead of following their selfish interests, they establish the divine system of *Salah* and are steadfast and firm in this. What happens in this system? وَالَّذِيْنَ فِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ ; لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ (70:24-25) – Thus by showing their generosity, they are in fact admitting the reality that their wealth is not only for their own use, but also for the use of those whose resources cannot meet their needs; or those who became incapacitated and are unable to earn, thus being deprived of the necessities of life. This is their established right, which is well-known to everyone. Therefore, the generous ones are only returning them their right; and do not retain anything that is beyond their own needs. They are the ones who firmly believe in the law of requital, and with their actions they substantiate their claim to the Islamic system: وَالَّذِيْنَ يُصَدِّقُوْنَ بِيَوْمِ الدِّيْنِ (70:26).

The third place the word مُصَلّینَ has come is in chapter 107. The whole chapter is devoted to this topic. The verse is: اَرَءَيْتَ الَّذِىْ يُكَذِّبُ بِالدِّيْنِ (107:1). The word مُصَلّینَ has come in verse 4 of this chapter.

Who are the ones who belie of the Deen?

Dear friends! Let me repeat once again: وَلَمْ نَكُ نُطْعِمُ الْمِسْكِيْنَ ; قَالُوْا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّيْنَ (74:43-44) – They will say, "Our crime was that we did not join those who established the system of *Salah*. We did not provide means of sustenance to the poor, the indigent,

the needy, or the physically incapacitated." Then the Quran says: وَكُنَّا نَخُوْضُ مَعَ الْخَآئِضِيْنَ (74:45) – We were among those who boasted a lot but did not do any good deed. وَكُنَّا نُكَذِّبُ بِيَوْمِ الدِّيْنِ (74:46) – And this way we belied the *Deen*. The chapter 107 starts with: اَرَءَيْتَ الَّذِىْ يُكَذِّبُ بِالدِّيْنِ (107:1) – Have you seen the one who belies the *Deen*: the law of requital that produces the result of an action. It is not that he denies the *Deen*. He says he accepts it, but he belies it by his actions. This is what is meant by belying one's claim. Who is he? He is: (107:2-7) الَّذِيْنَ هُمْ يُرَآءُوْنَ ; وَيَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ. سَاهُوْنَ ; فَذٰلِكَ الَّذِىْ يَدُعُّ الْيَتِيْمَ ; وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ; فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ ; الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ – The essence of *Deen* is that no one should, in the slightest, feel helpless. If for some reason a person's needs are not fulfilled then he or she should be helped at once. But look at the attitude of this religionist. He pushes away the helpless, neither assisting the needy nor encouraging others to do so. In order to show himself to be a religious person, he offers a lot of prayers. For such people prayers become a source of self-deception because they are deceiving themselves (and others) that they are virtuous. They, in fact, are oblivious of the concept of Salah. The object of Salah is to establish a society in which everyone follows divine laws and every human being continues to receive nourishment. But these people are oblivious to its objective and their consequential responsibilities; and after performing visible rites, they believe they have fulfilled the duties assigned by the Almighty. The outcome of such self-deception is that while, on the one hand they do offer prayers, but on the other hand, they take total control of the resources of nourishment. These resources must remain open and available, like ever-flowing springs, for *all* needy people. But they are depriving the needy of the sources of nourishment by putting barriers, and thus are belying the *Deen*.

The relationship of Salah with economics is very deep

My dear friends! Please think about. I am not saying anything on my own. These are the only three places when the word مُصَلِّينَ has come. How much deeply connected the system of Salah is with economics. The system of Salah is established to make sure no one in the society sleeps hungry in the night. This is also fulfilling the responsibility of ایتا ے زکات that allows nourishment to reach *all* the people. These are the true مُصَلِّينَ who help achieve this goal. The root meaning of Salah is: to follow the divine laws sincerely and truthfully all the time. This includes the ritual prayer that is meant to prepare people psychologically to achieve the goal of *Salah*. The Quran has mentioned the goal of مُصَلِّينَ: وَلَمْ نَكُ نُطْعِمُ الْمِسْكِيْنَ (74:44) – We did not provide means

of sustenance to the poor, the indigent, the needy, or physically incapacitated. Why did they come to the hell? Because: "We were not among the مُصَلّينَ." Could you clarify it a little further? "Well! We did not make arrangements to take care of the indigent (74:44)." Then what were you doing? Living in some jungle; some hermitage? "No, this is not the case. We talked a lot; issued statements; made speeches; conducted seminars; and engaged in debates (74:45)." "We organized seminars on: Islamic economics; Islamic society; Islamic system; Islamic *Shariah*. We talked endlessly about all these things. We also put great emphasis on the five pillars and worship and rituals. But we did not bother to find if anyone is sleeping hungry. We did not try to establish the system of universal nourishment for all. So, we proved by our own actions that we belied the *Deen*; we belied our *Iman* in Allah and our *Iman* in the Hereafter: وَكُنَّا نُكَذِّبُ بِيَوْمِ الدِّيْنِ (74:46). We continued on this path until the doom and destruction hit us, until certainty came upon us: حَتّٰٓى اَتٰىنَا الْيَقِيْنُ (74:47)."

There is no use of Iman when the time for action has passed

My dear friends! الْيَقِينُ means that something cannot be denied; that it is in front and observable in full view. Traditionally, it is translated as "until certainty of death came." But, not only death is certain; but, also, the result of a wrong system is as certain as death according to the Quran. It used to happen that when nations' destruction came upon them they used to say that we now believe in the Divine laws; but they were told by Allah that there is no use accepting *Iman* now. The Pharaoh said that I believe in the God of Moses while he was drowning; when he saw death in front of him. But he was told that there is no point in accepting Iman now when there is no time left for any action. After this the Quran says: (74:47-48) فَمَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشّٰفِعِيْنَ ; حَتّٰٓى اَتٰىنَا الْيَقِيْنُ.

Meaning of شفاعت is not lobbying

My dear friends! The word شفاعت has come in many places in the Quran. In the past lectures I have explained its meaning in detail. It means: To stand up to support someone. It does not mean lobbying. But lobbying has become a daily experience in today's corrupt society. Nothing gets done these days without connections, lobbying, or bribery. The worst thing in any system is the corruption of bribery and lobbying. My dear friends! It is attributed that the Prophet (PBUH) will lobby for us with Allah on the Day of Judgment. But please pause, and just think about it for a moment! What is considered worst here how can it be good with Allah in the Hereafter? The Prophet

(PBUH) who told his daughter and aunt that being related to the Prophet will not help you in the hereafter with Allah; that your own deeds are going to count with Allah. So, therefore, there is no question of him lobbying for his own daughter. If that is the case then how could we think then that the Prophet (PBUH) will lobby for us?

My dear friends! شفاعت means: "to stand up with a victim in the court to provide true witness." This is to provide true witness and support to oppressed people in the court of law. In this verse (74:48) it is mentioned that it will be useless even if these oppressors were to stand with someone that day. When the time of destruction comes as a result of a wrong system then everyone gets drowned in that flood. Now the Quran says: فَمَا لَهُمْ عَنِ التَّذْكِرَةِ مُعْرِضِينَ (74:49) – What then is amiss with them that after all these truths and realities are presented to them very clearly that they turn away from them?

Man runs away from reality like wild donkey runs away from lion

My dear friends! After saying all this, the Quran asks: what has happened to you that you don't listen to the clear warning; that you do not see the writing on the wall? This is the same thing we say to children when they do not listen: What has happened to you? Have you lost your mind? So, Allah says that We have been explaining to you again and again so clearly but you are not paying any attention. Not only that, the Quran says further: (74:50:51) كَأَنَّهُمْ حُمُرٌ مُّسْتَنفِرَةٌ ; فَرَّتْ مِن قَسْوَرَةٍ – They are running away from Our message as though they were terrified asses fleeing from a lion? My dear friends! Even today this is so true: You can give all the sermons besides the Quran; you can narrate all the stories and fiction in the name of religion. You can talk about the ancestors. Everyone will keep on listening happily. But the moment the Quran's pure message comes in front of them they run away. They cannot tolerate the pure voice of the Quran. Allah has said about this phenomenon: O Prophet (PBUH)! When you mention Allah alone they appear to be in shock and awe but when you mention others along with Him they feel happy and excited. Why do they run away from the Quran's pure voice? This is because their self-interests get in its way.

The reality of capitalism in the light of the system of universal nourishment

My dear friends! The foundation of capitalism is based on individual self-interest and greed. This breeds individualism. In it only the individual interests exist; not the collective interest or the humanity's interest. Contrary to this, the Quran's system of universal nourishment is founded on the principle of collective interest of all

humankind. The very first words of the Quran signify its importance: Allah is worthy of appreciation because He is the nourisher and sustainer of all the worlds; of all the humanity. This is the right system for humankind. Capitalism exists for the interest of individual, for the interests of one's own community; for one's own national interest. This is the worst system for humankind in which only one's own interests count. That is why they do not want to listen to Quran's voice that cares about universal benefit and interest. The Quran is dead against capitalism's individual benefit and interest: بَلۡ يُرِيۡدُ كُلُّ امۡرِئٍ مِّنۡهُمۡ اَنۡ يُّؤۡتٰى صُحُفًا مُّنَشَّرَةً (74:52) – Everyone wants one's program; one's own agenda; one's own platform; one's own interest. But the Quran wants the benefit for entire humanity because that is what sustains in the long run. Any other system is guaranteed to self-destruct itself. Only that system will survive that is beneficial to *all* of humanity: وَاَمَّا مَا يَنۡفَعُ النَّاسَ فَيَمۡكُثُ فِى الۡاَرۡضِ (13:17).

Quran's platform provides dignity to entire humankind

Dear friends! The Quran says that only that system will self-sustain and last forever that benefits the entire humankind. The capitalistic system is based on individual interest about which the Quran says: كَلَّا (74:53) – No! This system will never survive. Because: بَلۡ لَّا يَخَافُوۡنَ الۡاٰخِرَةَ (74:53) – in this system people do not believe in future (long-term) and neither are they fearful of the destruction that will engulf them. They do not believe in Allah's law of requital; nor do they show any concern for this. In this system those at the top snatch away the hard-earned labor of the people through (deceptive) laws that allows them to do this with impunity. They continue this way and are not concerned with the rest of humanity; neither are they fearful of the long term consequences. كَلَّاۤ اِنَّهٗ تَذۡكِرَةٌ (74:54) – But they will not be allowed to do that. This Quran is a warning, an admonition; it is a historical reality: فَمَنۡ شَآءَ ذَكَرَهٗ (74:55) – So, those who want let them learn from it; let them lead their life according to it. But it cannot be done through force. It is the choice that people have to make themselves whether or not to heed its warning. Then the Quran itself says in response to this: وَمَا يَذۡكُرُوۡنَ اِلَّاۤ اَنۡ يَّشَآءَ اللّٰهُ (74:56). But, again, this verse is traditionally mistranslated and everything that has been said before gets wiped out by this (mis)translation which is usually done as: Only those will be able to learn and follow whom Allah wants them to. But just before, the Quran was saying: فَمَنۡ شَآءَ ذَكَرَهٗ (74:55) – So, whosoever wants let him learn from it. Thus, the translation of verse (74:56) is contradictory to the previous verse (74:55). The entire teaching of the Quran is rendered ineffective and gets abrogated by this translation. In another place the Quran says: اِنَّ هٰذِهٖ تَذۡكِرَةٌ ۚ فَمَنۡ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيۡلًا (76:29) – VERILY, all this is an admonition: whoever, then, so wills,

may unto his Sustainer find a way. And: وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ (76:30). First, it was whoever wants, let him choose the way towards Allah; but again the traditional translation of (76:30) cancels this freedom of choice. Its translation is done as: But you cannot will it unless God wills to show you that way. By this translation the choice is taken away from the individual. Obviously this is a clear contradiction.

Man should choose what Allah wants him to choose

My dear friends! The meaning of – وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ (76:30) – is that you should want what Allah wants for you. The situation then becomes *this*: whatever you want to choose is up to you. You have the right of choice. Allah says that I am not going to interfere with or usurp your right of choice. But Allah wants that you should choose what He wants you to choose. Allama Iqbal says: Whatever Allah wants you to become, the Quran will make you that because Allah has said in the Quran what He wants us to do: (74:55-56) فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهُ وَمَا يَذْكُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ . After this the Quran says: هُوَ اَهْلُ التَّقْوٰى وَاَهْلُ الْمَغْفِرَةِ (74:56) – These are the people who are the متّقی or righteous who observe the divine laws at every step; and these are the people who will remain protected from every danger.

Thus the bottom line: We have given the Quran containing Our guidance; Our advice; Our admonition; Our laws and constitution. And We clarified everything what We want you to do. Your desires and wishes; your life goals and the way to achieve them – all this should align with the Quran. That is, you should want what We want you to do. This is the lesson. There is no need to give you every little detail for everything about what to do or what to decide. If Allah wants you to walk on the straight path then walk on the straight path. If Allah wants you to feed others first and then eat yourself, then you do it. Allah has said that He does not want to usurp your right of choice. If you do not want to accept Allah's wishes, then that is your choice. But you will be responsible for you choice. This is Our law of requital. This is our constitution. So, you, with your own freewill, choose what Allah wants you to choose in order to be among the righteous, and to be protected from danger.

My dear friends! Surah Al-Muddaththir (المُدَّثِّر) is finished today. We will take up Surah Al-Qiyamah (القیامہ) in the next lecture.

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ۭ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ

O our Sustainer! Accept our humble efforts because you are fully aware of what we speak and what is hidden in our hearts. (2:127)

☆.....☆.....☆